تعارفِ مُصنّف

حضرت چوہدری نعمت اللہ خان گوہر

(1955-1880)

ولادت وتعلیم :۔

میرے والد ماجد حضرت چوہدری نعمت اللہ گوہر صاحبؓ 1880 عیسوی میں لدھیانہ کے دور افتادہ گاؤں ہٹھور میں ایک غریب راجپوت خاندان میں پیدا ہوئے۔آپ کے والد صاحب کا نام حکیم نتھے خان تھا۔

حضرت چوہدری نعمت اللہ صاحبؓ نے 1896ء میں میٹرک کا امتحان جگراؤں ہائی سکول سے پاس کیا۔جس پر 15 روپے ماہوار وظیفہ بھی ملا۔آپ نے مہندر کالج پٹیالہ میں داخلہ لے لیا لیکن کسی غلطی کی وجہ سے امتحان دینے پر پابندی لگا دی گئی۔

بیعت :۔

کالج کی تعلیم تو اب بند ہوگئی مگر ریاست پٹیالہ کے وزیر اعظم خلیفہ سید محمد حسن صاحب کے عزیزوں نے ریاست کے محکمہ بندوبست میں سپرنٹنڈنٹ کے طور پر تقرری کروا دی وہاں کسی نے آپ کو مولوی ثناء اللہ صاحب کی کتاب ''الہامات مرزا'' مطالعہ کے لئے دی۔پڑھ کر بہت حیران ہوئے کہ یہ مرزا صاحب کون ہیں؟ یہ وہ زمانہ تھا کہ تمام دنیا میں حضرت مہدی علیہ السلام کا انتظار ہو رہا تھا۔آپ سنایا کرتے تھے کہ ان کے پردادا حکیم خدا بخش صاحب جب جگراؤں سے ہٹھور آتے تو پوچھا کرتے تھے،سناؤ کہیں حضرت مہدی علیہ السلام کی خبر بھی سنی؟

محکمہ بندوبست میں ان دنوں حضرت منشی عبد اللہ صاحب سنوریؓ اور ان کے فرزند منشی رحمت اللہ صاحب پٹواری کے طور پر کام کرتے تھے۔ انہوں نے جب اپنے سپرنٹنڈنٹ صاحب کو مرزا صاحب کے بارے میں تفتیش کرتے دیکھا تو ان کو بتایا کہ قادیان ضلع گورداسپور میں ایک بزرگ نے مہدی اور مسیح موعودؑ کا دعویٰ کیا ہے کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے مامور کیا ہے۔ ساتھ ہی مطالعہ کے لئے حضرت اقدسؑ کی کتابیں بھی دیں۔ اخبار الحکم ان کے پاس آتا تھا وہ بھی دیا کرتے۔ کیونکہ آپ کے ذہن میں ان کے دادا حکیم خدا بخش صاحب نے ڈالا ہوا تھا مہدی کا ظہور ہونے والا ہے۔ لہذا مطالعہ سے آپ کو یقین ہو گیا کہ مہدی قادیان میں مبعوث ہو چکے ہیں۔ چنانچہ آپ منشی عبد اللہ صاحب سنوریؓ سے مزید معلومات کے بعد اپنی اہلیہ صاحبہ کو ساتھ لے کر قادیان گئے اور بیعت کر لی۔ آپ کی شادی کے فوراً بعد آپ کی والدہ وفات پا گئی تھیں۔ آپ نے بیعت 1905ء میں کی۔ حضرت اقدسؑ کی صحبت سے اتنا متاثر ہوئے کہ واپس ملازمت پر جانے کا خیال بھی نہ رہا۔ لہذا وہ نوکری چھوڑ کر گاؤں آ گئے۔

بھائیوں کی بیعت:

گاؤں واپس آ کر اپنے دونوں بھائیوں علی محمدؓ اور عطاء محمدؓ کو پیغام سنایا اگر چہ کم عمر تھے لیکن بڑے بھائی کی اطاعت میں بیعت کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔ چنانچہ ان دونوں کی بیعت کا خط لکھ دیا گیا۔ جس کا جواب ۱۵ دن کے اندر آ گیا۔ اس کے بعد بہن اور بہنوئی اور دوسرے رشتہ داروں کو پیغام حق سنایا لیکن ان لوگوں نے قبول نہ کیا لیکن کوئی مخالفت بھی نہ کی۔ ملازمت تو ختم ہو چکی تھی اور گھر کی ذمہ داریوں کا احساس بھی تھا۔ زمین سے واجبی سی فصل آتی تھی جس سے گزارہ مشکل تھا۔ اسی ادھیڑ بن میں ایک اشتہار دیکھا کہ چنیوٹ میں مڈل سکول کے لئے استاد چاہیئے۔ آپ نے فوراً درخواست دے دی اور آپ کو منتخب کر لیا گیا۔ یہاں پر آتے ہی ڈھونڈ کر جماعت احمدیہ سے رابطہ کیا اور باقاعدگی سے نمازیں وہاں ادا کرنے لگے۔ شیخ مولا بخش صاحب، حاجی تاج محمود صاحب اور دیگر احمدیوں سے گہرے تعلقات ہو گئے۔ مگر شہر کے متعصب لوگوں نے اس بات کو پسند نہ کیا اور مجبور کیا کہ مستعفی ہو جائیں۔ یہاں سے قریب ہی چک جھمرہ کے پاس ایک چک میں شیعہ گھرانے کے دو لڑکوں کو تعلیم دینے کے لئے چلے گئے۔ لیکن طبیعت نہ لگی۔ چنیوٹ میں مخالفت کی وجہ سے قادیان کے لئے تڑپ بڑھ گئی اور آخر کار

اکتوبر 1907ء میں قادیان آ گئے۔ان کا گھر شیخ یعقوب علی عرفانی صاحب کے مکان کے قریب تھا۔آپ جب بمعہ اہلیہ صاحبہ 1905ء میں پہلی مرتبہ بغرض بیعت قادیان آئے تو انہی کے گھر مہمان ٹھہرے تھے۔ اس لئے ان سے بڑے گہرے روابط ہوئے۔آپ نے ستمبر 1906ء کو اپنے چھوٹے بھائیوں علی محمد اور عطاء محمد کو جو بالترتیب ساتویں اور چھٹی جماعت میں تھے قادیان بھجوا دیا تھا۔علی محمد اور عطاء محمد دونوں بھائیوں کی والدہ کی وفات کے بعد باپ کی طرح ان کی پرورش کی اور خود مشکلات اور صعوبتیں برداشت کر کے علی محمد کو B.A. B.T کی اعلیٰ تعلیم دلوائی اور ان کو کسی قسم کا احساس نہ ہونے دیا کہ والدین انتقال کر گئے ہیں۔اور علی محمد اپنے بڑے بھائی کے احسان کو زندگی بھر بھلا نہ پائے۔جب کبھی ابا جان کا ذکر ہوتا تو ان کی آنکھیں بھر آتیں اور کہتے کہ اگر بڑے بھائی (گوہر) کی محبت، عنایات، شفقت اور ایثار نہ ہوتا تو شاید میں اس مقام پر نہ پہنچتا جس مقام پر اس رب جلیل کے فضل و کرم سے پہنچا ہوں۔اب تینوں بھائی قادیانی ہو گئے تھے۔

حضرت اقدسؑ کی سفارش:

قادیان میں رہائش کے دوران حضرت اقدسؑ کے بعد آپ زیادہ تر حضرت مولوی حکیم نورالدینؓ صاحب کی قربت میں رہتے تھے۔ایک دن انہوں نے فرمایا کہ تم تعلیم میں ترقی کیوں نہیں کرتے۔ابا جان نے امتحان پر پابندی کا سارا ماجرا بیان کر دیا اور رو پڑے۔حضرت مولوی حکیم نورالدینؓ صاحب نے دلاسہ دیتے ہوئے از راہ شفقت فرمایا کہ پھر حضرت اقدسؑ سے کیوں نہیں عرض کرتے تا کہ وہ دُعا فرمائیں اور آپ سے پابندی اٹھالی جائے۔

ابّا جان نے کہا مجھے شرم آتی ہے۔آپ ہی مہربانی فرما کر حضرت اقدسؑ کے حضور میری طرف سے عرض کر دیں۔جو آپ نے اَز راہ شفقت کر دی۔

جب کچھ دن گزر گئے تو والد صاحب کی بے چینی بڑھ گئی کہ حضورؑ نے کوئی توجہ نہیں فرمائی تو آپ نے ایک نظم جس کا عنوان تھا ''صدائے فقیر'' جو اخبار الحکم اور بدر میں چھپ چکی ہے۔یہ نظم 26 مارچ 1908ء کو حضرت اقدسؑ کے سامنے بیت مبارک میں پڑھ کر سنائی۔اس کے دوسرے شعر پر خوب لطیفہ ہوا۔شعر تھا۔ ؎

کسی طبیب سے جب اپنا درد دل نہ تھما
تو آخرش تیرے دارالشفاء میں آئے ہیں

حضرت مولانا حکیم نورالدینؓ صاحب نے سمجھا کہ یہ ان کی طرف اشارہ ہے۔ چنانچہ آپ نے کھڑے ہو کر کہہ دیا "طبیب کو کیوں بیچ میں لپیٹ لیا۔ طبیب نے تو عرض کر دی ہوئی ہے" اس پر حضرت مسیح موعودؑ بھی مسکرا دیئے۔

جب حضرت اقدسؑ اندرون خانہ تشریف لے جانے لگے تو آپ سامنے آ گئے۔ حضورؑ نے جناب مولوی محمد علیؓ صاحب ایم۔اے کو طلب فرمایا اور حکم دیا کہ آپ گوہر صاحب کے لئے یونیورسٹی کو لکھیں کہ ان کو معاف کر دیا جائے۔ انہوں نے بھی یہ قصہ سنا ہوا تھا کہنے لگے حضور یہ بڑا مشکل امر ہے بلکہ ناممکن ہے کہ معافی ہو جائے۔ حضورؑ نے فرمایا کہ "آپ لکھیں تو سہی جب خدا آسمان پر معاف کر سکتا ہے بندے زمین پر کیوں معاف نہیں کریں گے"

چنانچہ مولوی محمد علیؓ صاحب نے بیت مبارک کے اس کمرہ میں بیٹھ کر جس میں سرخ سیاہی والا نشان ظاہر ہوا تھا خط لکھا اور سفارش کی کہ ان پر سے پابندی ہٹالی جائے۔ نتیجتاً اگست 1908ء کو حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ کے عہد میں پنجاب یونیورسٹی سے پابندی اٹھانے کا مراسلہ آ گیا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ نے ابّا جان کے لئے بہت دُعا کی تھی تو ان کو الہام ہوا کہ " نعمت اللہ گوہر سے کہہ دو کہ اگر بی۔اے سے اخلاص ہے تو ایف۔اے کا امتحان دیدے" اسی زمانہ میں آپ نے J.A.V ٹریننگ کالج لاہور سے پاس کر لیا تھا۔

امتحان ایف۔اے:

1916ء بطور ٹیچر مڈل مزنگ لاہور میں متعین ہوئے۔ یہاں ایک صاحب جن کا نام خیر دین برق ہیڈ ماسٹر تھے۔ ان کو پیغام حق پہنچاتے تھے کیونکہ وہ عیسائیت کی دلدل میں پھنس کر اپنا نام بھی K.D. Burk لکھنے لگے تھے۔ ان کا بیٹا Samuale Martin Burk والد صاحب کا شاگرد تھا اور پاکستان بننے پر فارن سروس میں چلا گیا اور سفیر کے عہدہ سے ریٹائرمنٹ کے بعد لنڈن میں مستقل رہائش اختیار کر لی تھی ان کی میرے ساتھ خط و کتابت جاری رہی۔

حضرت گوہر صاحبؓ نے یہاں ریاضی کا مضمون رکھ کر ایف۔اے کا امتحان بغیر تیاری دینا شروع کر دیا تو برق صاحب نے لکھت پڑھت کر کے شرط لگا دی تھی کہ اگر اس طرح تم اگر پاس ہو گئے تو میں مرزا صاحب کی بیعت کر لوں گا اور اگر پاس نہ ہوئے تو تمہاری داڑھی منڈوا دینی ہے۔ آپ کے لئے تو خلیفۃ المسیح

الاوّلؓ کی دُعائیں تھیں اور الہام بھی تھا۔ چنانچہ آپ سیکنڈ ڈویژن میں پاس ہو گئے۔ آپ نے برق صاحب کو کہا چلو اب قادیان تو انہوں نے نہایت عجیب فقرہ کہہ کر جان چھڑالی کہ ’’یار من لیا تیرا مرزا سچا اے‘‘

کیونکہ آپ اکثر دعوت الی اللہ کرتے رہتے تھے تو متعصب ہندوؤں نے ایک جھوٹا مقدمہ بنا کر نوکری ختم کروادی۔ یہاں سے آپ کو اسلامیہ مڈل سکول پونچھ ریاست کشمیر میں ہیڈ ماسٹری مل گئی۔ ۱۲۰ روپے تنخواہ مقرر ہوئی وہاں آپ 1918ء۔ 1919ء تک رہے۔ وہاں بھی دعوت الی اللہ کی وجہ سے نوکری سے نکلنا پڑا۔ پونچھ سے احمدیہ سکول گھٹیالیاں آئے مگر یہ سکول مالی مشکلات کی وجہ سے نہیں چلتا تھا۔ وہاں سے آپ احمدیہ سکول بہلول پور چک 127 رکھ برانچ آ گئے۔ وہاں سال بھر کے قریب رہے مگر یہ سکول بھی مالی مشکلات کی وجہ سے نہ چل سکا۔ وہاں سے آپ کو اسلامیہ ہائی سکول لائل پور میں جگہ مل گئی لیکن یہاں بھی سٹاف کو دعوت الی اللہ کرنے کی وجہ سے نوکری سے جواب مل گیا۔

بی۔اے کا امتحان:

جلد ہی ایم بی ہائی سکول گوجرہ میں جگہ مل گئی جہاں 1921ء سے لے کر 1926ء تک خوب کام بھی کیا اور دعوت الی اللہ بھی کی جس کے نتیجہ میں کئی افراد نے احمدیت قبول کی۔ گوجرہ میں آپ کو خیال آیا بی اے کا امتحان دیں۔ سکول سے بغیر رخصت لئے تیاری شروع کر دی۔ سیکنڈ ہیڈ ماسٹر حشمت خان ایم۔اے نے زور دے کر کہا دو ہندو استادان کو اپنے انگریزی کے مضمون لکھ کر اصلاح لیتے ہیں آپ بھی مجھے اپنے مضامین دکھالیا کریں۔ تو ابّا جان نے جواب دیا کہ حشمت صاحب میں جب لکھنے بیٹھوں گا تو فرشتے میری مدد کریں گے۔ میرے متعلق تو ہمارے بزرگوں کو الہاماً بتایا گیا ہے کہ تم بی۔اے ہو جاؤ گے۔ وہ کہنے لگے میں ان باتوں کو نہیں مانتا۔ دادا جان نے کہا آپ کو رزلٹ سے معلوم ہو جائے گا۔

چنانچہ ابّا جان نے لاہور جا کر امتحان دیا اور سیکنڈ ڈویژن میں پاس ہوئے۔ ساتھ ہی *Senior Anglo Varnecular* (SaV) جو بی ٹی کے برابر ہوتا ہے دے دیا اس میں بھی پاس ہو گئے۔ یعنی *B.A SAV* ہو گئے۔ اس طرح آپ نے حضرت مسیح موعودؑ اور خلیفۃ المسیح الاوّلؓ کی دعاؤں سے کامیابی حاصل کی۔

مارچ 1926ء میں شیخ نور الٰہی صاحب انسپکٹر سکولز معائنہ کے لئے آئے۔ معائنہ کے بعد ابّا جان کو ساتھ لے کر ڈاک بنگلے میں چلے گئے۔ وہ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب کے کلاس فیلو تھے اور سلسلہ

احمد یہ سے خوب واقف تھے۔ کہنے لگے تمہارے میاں صاحب (خلیفۃ المسیح الثانیؓ) نے یہ کفر واسلام کی بحث چھیڑ دی مناسب نہ تھی۔ بس جناب ابّا جان نے بحث شروع کر دی جو کہ رات گئے تک جاری رہی انسپکٹر صاحب جاتے ہوئے Log Book میں ابا جان کے بارے میں لکھ گئے۔

Naimatullah is more fit to be a missionary than a school teacher.

جب یہ ریمارکس سید مہدی شاہ صاحب رئیس اعظم گوجرہ اور سپرنٹنڈنٹ میونسپل کمیٹی نے پڑھے تو ابّا جان کو بلا کر دکھائے اور کہا شیخ صاحب آپکے بارے میں کیا لکھ گئے ہیں لہذا آپ کہیں نوکری کا بندوبست کرلیں۔

وہاں سے آپ ڈیرہ اسماعیل خان اسلامیہ ہائی سکول میں بطور سیکنڈ ماسٹر متعین ہوگئے۔ وہاں سے بھی تبدیل کر کے گجرات اسلامیہ ہائی سکول بھجوادیئے گئے یہاں سے بھی تقریباً ایک سال کے بعد فارغ کر دیئے گئے۔ چنانچہ آپ قادیان آگئے۔

کچھ عرصہ کے بعد نواب جونا گڑھ کے پرائیویٹ سیکرٹری کو اپنے بچوں کے لئے ٹیوٹر کی ضرورت تھی چنانچہ وہاں چلے گئے۔ تنخواہ کے علاوہ کھانا اور رہائش مفت تھی۔ ایک سال وہاں رہے سومنات مندر دیکھا۔ وہ جنگل بھی دیکھا جس کے بارے میں مشہور تھا کہ یہاں حضرت کرشنؑ سوئے ہوئے تھے کہ کسی نے ہرن سمجھ کر دور سے زہر آلود تیر مارا جس کے اثر سے آپکا رنگ سانولا ہوگیا۔ واپسی پر جودھ پور میں نواب چوہدری محمد دین صاحب وزیر کے پاس ٹھہرے اور خوب سیر کی۔ دہلی سے ہوتے ہوئے واپس قادیان آگئے۔

تصنیف تحفہ ہندو یورپ:

اُنہی دنوں ضلع ہوشیار پور کے ایک گاؤں میں مڈل سکول کی ہیڈ ماسٹری مل گئی وہاں رہ کر آپ نے معرکۃ الاراء کتاب **''تحفہ ہندو یورپ''** لکھی۔ دسمبر 1928ء کو شائع ہوئی۔ بڑے بڑے صحافیوں نے ریویو لکھے۔ سید سلمان ندوی نے ریویو لکھا مگر تعصب کی وجہ سے بے جا اعتراض بھی کیے۔ جس کے جواب **اخبار الفضل** میں شائع ہوئے۔

ڈاکٹر اقبال نے لکھا کہ ہمارے نیم بیدار ملک میں اس کتاب کو سمجھنے والے لوگ کم ہیں۔ آپ اس کا ترجمہ انگریزی میں کر کے لنڈن بھجوادیں۔ چنانچہ ترجمہ لنڈن بھجوایا گیا۔ ***Luzac & Co.*** نے اس کا معاوضہ

300 پاؤنڈ ادا کرنا چاہا مگر ابّا جان نے 500 پاؤنڈ کا مطالبہ کیا۔ اس دوران ملکی فسادات شروع ہو گئے اور کرفیو لگ گیا اور قادیان والوں کو کیمپ جانے کا حکم ملا۔ وہ مسودہ گھر میں ہی رہ گیا۔ اگلے دن ابّا جان کے ایک شاگرد ڈاکٹر گوربخش سنگھ نے آپکو ساتھ لے جا کر دیکھا تو وہاں کچھ بھی نہ تھا۔

پھیر دی نگہ یاس نے جھاڑو دل میں

ہوشیار پور سے آپ کا تبادلہ نور پور ضلع کانگڑہ کے ہائی سکول میں ہوگیا۔ دسویں جماعت کو انگریزی پڑھایا کرتے تھے۔ وہاں ہیڈ ماسٹر ہندوؤں کے ایک جدید فرقہ رادھا سوامی (جس کا ہیڈ کوارٹر دیال باغ آگرہ تھا) کا ممبر تھا اس کو پیغام حق پہنچانے کے نتیجہ میں آپکا تبادلہ نواب صاحب ممدوٹ (ضلع فیروز پور) کے مڈل سکول میں بطور ہیڈ ماسٹر ہوگیا۔ نواب قدردان تھے۔ ان کے ساتھ بہت گہرے روابط ہو گئے۔ متعصب نہ تھے۔ لہذا ان کی وساطت سے دعوت الی اللہ کے مواقع ملتے رہے۔

یہاں آپ کو اللہ تعالیٰ نے دوسرا بیٹا وسیم احمد 1931۔11۔23 کو عطا کیا۔ وسیم احمد گریجوایشن کر کے ریلوے میں سپورٹس مین کی بنیاد پر ملازمت کرتے رہے۔ ریلوے کی طرف سے ''اے'' کلاس ہاکی کھیلی اور خوب نام کمایا۔ تمام بڑے اخبارات میں ان کی سٹیک ورک کے بارے میں کالم چھپتے رہے۔ 1958ء میں پاکستان ہاکی فیڈریشن کی ٹیم کی نمائندگی کرتے ہوئے تمام پاکستان کا دورہ کیا۔ جس کی بنیاد پر 1960 کی پاکستانی ٹیم برائے اولمپک (33) تینتیس کھلاڑیوں کے کیمپ کے لئے چنے گئے۔ لیکن سینیئر کھلاڑیوں کی وجہ سے فائنل ٹیم میں سیلیکٹ نہ ہو سکے۔ ورنہ یہ پہلے احمدی ہاکی اولمپین گولڈ میڈلسٹ ہوتے اس سال ریلوے کے سوونیئر میگزین میں آپکی تصویر میں لکھا۔

Un Lucky Waseem. Who could not be selected in Pakistan Hockey Team for Olympic

اتفاق سے آج کل پاکستان ہاکی ٹیم کے کیپٹن وسیم احمد پہلے احمدی اولمپین ہیں۔ (ابھی حال ہی میں وہ ریٹائرڈ ہوئے ہیں۔) 1960ء کے اولمپک میں پاکستان کے لئے اس ٹیم نے گولڈ میڈل انڈیا کو ایک گول سے شکست دے کر جیتا تھا۔ اس کے بعد آپ نے *M. Ed* کر کے کالج میں ملازمت شروع کر دی آپ ریٹائرڈ پروفیسر کی حیثیت سے کراچی میں مقیم ہوئے اور اب امریکہ میں رہائش پذیر ہیں۔

1935ء میں ابّا جان ڈسٹرکٹ بورڈ کی ملازمت سے ریٹائر ہوئے۔ پراویڈنٹ کی قلیل رقم ملی جس سے ایک مکان دارالبرکات قادیان میں بنا کر رہائش اختیار کر لی۔ ملازمت کے دوران تمام آمدنی معمولی رقم

گھر کے لئے رکھ کر چندہ ادا کرتے یا دعوت الی اللہ میں خرچ کرتے ۔ آپ اشتہارات اور پمفلٹ کے ذریعہ بھی پیغام حق لوگوں تک پہنچاتے رہے۔

1939ء میں جنگ عظیم دوم شروع ہوئی تو آپ بطور *Civillian Teacher* فوج میں بھرتی ہو گئے۔ انگریز افسروں کو اردو پڑھانا ہوتا تھا۔300 روپے ماہانہ تنخواہ۔راشن اور وردی مفت ملتی تھی۔ جالندھر اور فیروز پور چھاؤنیوں میں رہے۔1945ء میں جنگ بند ہوئی تو واپس قادیان آ گئے۔

ہجرت الی قادیان دارلامان:

تقسیم ملکی کے وقت بھرا ہوا گھر چھوڑ کر رات کے ایک بجے اندھیرے میں نکلنا پڑا اور تمام کتب خانہ بھی چھوڑا جو عمر بھر کی کمائی تھی۔معمولی کتابوں سے لے کر صحاح ستہ تک مکمل تھیں۔قرآن مجید کے تمام انگریزی تراجم، نایاب بائبل کے مختلف ایڈیشن وغیرہ وہیں رہ گئے۔کچھ عرصہ کھاریاں کے ہائی سکول میں ملازمت کی۔ گجرات میں سسرال والوں نے ریلوے اسٹیشن کے قریب نہایت عمدہ وسیع مکان الاٹ کرادیا۔مگر وہاں دل نہ لگا اور لاہور آ کر سنت نگر میں دیوسماج ہوسٹل کے ایک تنگ وتاریک کمرہ میں رہے اس واسطے کہ وہاں سے پنجاب لائبریری کوئی دو فرلانگ پر تھی ۔ سارا دن وہاں گزارتے اور اپنی علمی ادبی پیاس بجھاتے رہے۔

آخر 11 جولائی 1955ء کو چند روز بیمار رہ کر انتقال کیا۔مہاشہ فضل حسین صاحب اور ملک عبداللطیف ستکوہی صاحب تاجر کاغذ نے بہت امداد دی اور سانده (میانی صاحب) کے قبرستان میں دفن ہوئے۔

جس دن ابّا جان فوت ہوئے میں نے خواب دیکھا کہ تین آدمی ہیں درمیان میں ابّا جان ہیں اور دونوں طرف دو آدمی ہیں جن کو والد صاحب سمجھتے ہیں کہ وہ اپنے دوست ہیں۔مگر وہ اندھیرے میں تھے۔ابّا جان نے شاندار سفید پگڑی باندھی ہوئی ہے اور ان پر تیز روشنی پڑ رہی ہے۔آواز آتی ہے کہ ''یہ لوگ *Graduate* ہو گئے ہیں'' خاکسار حیران ہوا کہ یہ کیا آواز ہے۔دوبارہ بڑی رعب دار آواز آئی ہے کہ یہ لوگ *Graduate* ہو گئے ہیں۔ بڑا زور دے کر کہا گیا۔ میں گھبرا کر اٹھ کھڑا ہوا اور یہ وقت تہجد کا تھا۔خاکسار نے تہجد پڑھی اور دُعا کی کہ خیریت ہو۔

صبح دفتر گئے تو آگے تار آئی ہوئی تھی کہ ابّا جان (نعمت اللہ گوہر صاحب) فوت ہو گئے ہیں لاہور جانے کے لئے جب گھر سے نکلا تو ماسٹر شیر علی صاحب ملے۔ پوچھنے لگے کہاں جا رہے ہو تو آپ نے بتایا کہ والد صاحب وفات پا گئے ہیں۔ وہ کہنے لگے ان کی وفات کے متعلق کوئی خواب نہیں آیا۔ آپ نے خواب سنا۔ اور *Graduate* کے معنی سمجھائے کہ ڈگری ہولڈر یا سند یافتہ۔ پھر ماسٹر شیر علی صاحب کہنے لگے پنجابی میں اس کو کہتے ہیں "پگ گئے" یعنی کامیاب ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو غریق رحمت کرے اور اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے آمین۔ آپ کی وفات پر آپ کے بھتیجے مکرم و محترم عبد السلام اختر (مرحوم) صاحب نے ان کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے مندرجہ ذیل اشعار مرقوم کئے

آہ ہمارے تایا گوہر مرحوم

اشکبار آنکھیں ہیں اختر دل بہت بے تاب آج
یاد آتا ہے مجھے اک "گوہر نایاب" آج
آہ وہ گوہؔر وہ جانِ علم بحر بیکراں
وہ متاعِ دین و دانش، رفعتِ کون و مکاں
علم وحکمت کا خزینہ، علم و عرفاں کی کتاب
حسن و خوبی کا صدف، صدق و صفا کا آفتاب
کون ہے آج اِس جہاں میں ہم نشیں! مجھ کو بتا
جانِ استغنا، غرورِ اہل دین، حق آشنا!
جس کی خودداری کے آگے عظمت شاہی نگوں
جس نے اپنی ٹھوکروں پر وار دی دنیائے دوں
دوستوں کی بے رُخی، اہل تمدن کے چلن!
اہلِ زر کی شہر یاری! سُود و سودا، مکروفن!!
کشتیِ عمرِ رواں گرداب میں چلتی رہی

یعنی شمعِ زیست طوفانوں میں بھی جلتی رہی
سینہ ہستی میں کیسے پیچ و تاب آتے رہے
کون جانے اُس پہ کیسے انقلاب آتے رہے
قصہَ محرومی دل حشر تک تڑپائے گا
اس زمانے میں نظیر اُسکا کہاں سے لائے گا؟

غرضیکہ ابّا جان نے بیعت کرنے کے بعد اپنی زندگی کا اوڑھنا بچھونا دعوت الی اللہ کو بنایا۔ساری ملازمت کے دوران آنریری 'داعی' کے طور پر کام کیا۔اپنی تمام آمدنی اسی کام میں خرچ کی اور خود نہایت سادہ زندگی گزاری۔پسماندگان کے لئے کوئی دنیاوی سامان نہیں چھوڑا۔آپکی قربانی کے نتیجہ میں آپ کی اولاد کو سب سے بڑی نعمت ''احمدیت'' عطا ہوئی۔اس کے علاوہ تمام دنیاوی آسائشوں سے بھی مالا مال ہیں۔اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا کرے اور ہمیشہ احمدیت سے منسلک رکھے آمین۔

آپ کی پہلی شادی موضع چک نز دہٹھور رحمت بی بی صاحبہ سے ہوئی۔ہماری والدہ صاحبہ نے حضرت مسیح موعودؑ کی بیعت 1905ء میں کی تھی۔آپ عبادت گزار اور دُعا گو تھیں۔آپکو سچّے خواب بہت آتے تھے۔اور وہ بہت جلد پورے بھی ہو جایا کرتے تھے۔ان کے بطن سے حسب ذیل بچے ہیں۔ان کی وفات 28دسمبر 1918ءکو ہوئی اور بہشتی مقبرہ قادیان میں مدفون ہیں۔

اولاد:۔

(1) عبدالرحمان شاکر ولادت 1907ء وفات 24-09-1997
(2) امتہ اللہ بیگم صاحبہ ولادت 1909ء وفات 19-04-1994
(3) امتہ الحفیظ صاحبہ ولادت 1911ء وفات 14-06-1988
(4) عبدالرحیم صاحب (تقریباً ایک ماہ کے بعد فوت ہو گئے)
(5) ناصر الدین صاحب وفات 1918-11-5 قادیان
(6) باقر صاحب 1918ء (پیدائش کے ساتھ ہی فوت ہو گئے)

آپ کی دوسری شادی فیروزہ بیگم بنت ملک محمد رمضان ککے زئی سکنہ گجرات سے ہوئی۔ یہ بھی بہت عبادت گزار تھیں اور دعا گو تھیں۔ان سے دو بچے پیدا ہوئے جو حسب ذیل ہیں۔

(7) بیٹا پیدا ہوا جو سات ماہ کے بعد فوت ہو گیا۔

(8) وسیم احمد جو بفضلہٖ تعالیٰ باحیات ہیں۔

وسیم احمد ولادت 1931-11-23 ایم۔اے لیکچرار گورنمنٹ کالج حافظ آباد سے ریٹائر ہو کر کراچی میں مقیم ہوئے اور اب امریکہ میں رہائش پذیر ہیں۔ (از عبدالرحمان شاکر)

☆☆☆

روایات چودھری نعمت اللہؓ صاحب گوہر (بی اے)

ولد حکیم نتّھے خان صاحب تاریخ بیعت 1905ء

(زیارت مارچ، اپریل 1907ء سکنہ ہٹھور ضلع لدھیانہ رجسٹر روایات 11)

آپ فرماتے ہیں کہ جن دنوں لیکھرام کا واقعہ ہوا ان دنوں میں کالبٹ کالج پٹیالہ میں میٹرک کی جماعت میں تعلیم پاتا تھا۔ کہ یکا یک لیکھرام کے قتل کی خبر بجلی کی طرح سارے شہر میں پھیل گئی۔ میرے بعض ہم جماعت احمدی بھی تھے۔ جو کہ پٹیالہ اور سنور کے رہنے والے تھے۔ انہوں نے بیان کیا کہ حضرت مرزا صاحب کی پیشگوئی در بارہ لیکھر ام آج پوری ہوگئی ہے۔ اس سے ہم کو پہلی مرتبہ پتہ لگا کہ مرزا صاحب نے لیکھرام کے بارہ میں پیشگوئی کر رکھی تھی۔ میں بورڈنگ ہاؤس میں رہتا تھا۔ وہاں آریوں کے بعض لڑکے بھی تعلیم پاتے تھے۔ اُن پر اِس واقعہ کا بہت اثر ہوا۔ اور عموماً اہل ہنود پر اِس پیشگوئی کی بہت ہیبت چھائی ہوئی تھی۔ البتہ آریوں کی زبانی یہ بات سُننے میں آئی کہ لیکھرام کو مسلمانوں نے قتل کرا دیا ہے۔ اس کے بعد مجھے اور زیادہ دلچسپی پیدا ہوگئی۔ میرے چیمبر فیلو عنایت علی صاحب تھے جو اب سلسلہ احمدیہ میں شامل ہیں۔ وہ میرے کلاس فیلو بھی تھے۔ ہم رات کے وقت بڑے شوق و ذوق کے ساتھ براہین احمدیہ اور حضرت مسیح موعودؑ کی دوسری کتب بھی پڑھا کرتے تھے۔ ایک ہمارے دوست مرزا عزیز بیگ صاحب ساکن سامانہ لیکھرام کی پیشگوئی پوری ہونے کے بعد قادیان آکر بیعت کر گئے تھے۔ اس سے بورڈنگ ہاؤس میں چرچا ہونے لگا تھا۔ ہم دونوں کو بوجہ غفلت چند سال تک بیعت کرنے کا خیال پیدا نہ ہوا۔ میٹرک پاس کرنے کے بعد میں نے اور عنایت علی نے سکول چھوڑ دیا تھا۔ اور اتفاق کے ساتھ ہم دونوں محکمہ بندوبست ریاست پٹیالہ تحصیل سرہند کے اندر ملازم ہو گئے۔ وہیں مولوی عبداللہ سنوری صاحب بھی تھے۔ فیلڈ کا کام ختم ہونے کے بعد سارا عملہ قصبہ لسی میں جمع ہو گیا۔ اور کاغذات کے تکمیل کا کام شروع ہو گیا۔ کئی سو آدمی ایک ہی جگہ بیٹھ کر ایک ہی وقت میں کام کرتے تھے۔ اُن دِنوں مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹیؓ کی بیماری اور وفات کے واقعات یکے

بعد دیگرے ظہور میں آئے۔قادیان کے اخبار اور رسالہ ریویو آف ریلیجنز وہاں احمدیوں کے پاس آتے تھے۔اُن دوستوں کے ذریعے میں بھی اخبار و رسالہ پڑھا کرتا تھا۔مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹیؓ کے متعلق حضرت مرزا صاحب کا سب سے پہلے الہام فَزِعَ عِیْسٰی مَنْ مَعَہ میں نے اپنی آنکھوں سے پورا ہوتے ہوئے دیکھا کیونکہ اس الہام کے مطابق حضرت مولوی صاحب وفات پا گئے۔اور حضرت مسیح موعودؑ اور آپ کے صحابہ کو بہت رنج ہوا تھا۔اسی اثناء میں منشی محمد علی سنوری صاحب نے مجھے تریاق القلوب پڑھنے کے لئے دی۔وہ میں نے خود بھی پڑھی اور ایک دوست نیاز احمد خان صاحب کو جو ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ تھے سنائی۔اس کتاب کو پڑھ کر میں تو پورا پورا سلسلہ سے متفق ہو گیا۔چند روز کے بعد مولوی عبداللہ سنوری صاحبؓ قادیان آنے کے لئے تیار ہوئے۔اور اُنہوں نے مجھے بھی ساتھ چلنے کے لئے کہا۔لیکن میرے پاس اتنا خرچ نہیں تھا کہ میں بھی قادیان آنے کا عزم کرتا۔لہٰذا میں نے اس کام کو دوسرے وقت پر ملتوی کر دیا۔اس واقعہ کے چند ماہ کے بعد میری طبیعت دنیا سے اُچاٹ ہوگئی۔اور میں نے بندوبست کی نوکری چھوڑ دی۔اور میں اپنے گھر چلا آیا۔اس کے بعد اپریل 1907ء میں پختہ ارادہ کیا کہ اس دفعہ ضرور قادیان جانا چاہیے۔اُس وقت میں اسلامیہ سکول چنیوٹ میں ہیڈ ماسٹر تھا۔وہاں طاعون پڑ گئی۔اور سکول بند ہو گیا۔میں اپنی بیوی کو ہمراہ لے کر قادیان آ گیا۔یہاں میرا کوئی واقف نہ تھا۔قادیان میں شیخ یعقوب علیؓ صاحب عرفانی کے ہاں ہم آ کر ٹھہرے۔کیونکہ ان کے خاندان کے ساتھ ہمارے پرانے تعلقات تھے۔شیخ صاحب کے ساتھ غائبانہ تعارف تھا۔بیعت یہاں آنے سے قبل میں نے بذریعہ خط کر لی ہوئی تھی۔دستی بیعت کرنا باقی تھی۔شیخ صاحب نے مجھے مولوی محمد علی صاحب اور حضرت خلیفہ المسیح الاوّلؓ کے ساتھ متعارف کروایا۔حضرت مولوی شیر علیؓ صاحب کے ساتھ بھی دو تین دن صحبت رہنے کے بعد دستی بیعت کرنے کے ارادہ سے مسجد مبارک میں گیا۔حضرت مسیح موعودؑ ظہر کی نماز کے وقت گھر سے کھڑکی کی راہ سے نکل کر مسجد میں داخل ہوئے۔میں نے جب آپ کی صورت مبارک دیکھی تو میں بہت خوش ہوا مگر آپ کا قد میرے اندازے کے مطابق نہ تھا۔حضورؑ مسجد میں مصلّی پر آ کر دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر تشریف فرما ہو گئے۔آپ کے پاس مولوی محمد علی، مولوی محمد احسن امروہیؓ صاحب اور حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ صاحب بیٹھے ہوئے تھے۔میں بھی اُن کے پاس ہی آ کے بیٹھ گیا۔حضرت مسیح موعودؑ نے اپنے دعویٰ کے متعلق گفتگو شروع کی اس کے دوران میں آپ نے فرمایا کہ اگر میں نے افتراء کرنا ہوتا تو میں براہین احمدیہ میں یہ کیوں لکھتا کہ عیسیٰؑ آسمان سے نازل ہونگے۔پھر آپ نے اپنی پیشگوئیوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ محمود (حضرت خلیفہ ثانیؓ) جب

پیدا ہوا تو اس کا نام مجھے اس مسجد کی دیوار پر لکھا ہوا دکھایا گیا تھا۔اس کے بعد حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا کہ بیعت کرنے والے آگے آجائیں۔میرے دل میں یہ خواہش تھی کہ بیعت کے وقت میرا ہاتھ حضورؑ کے ہاتھ میں ہو۔چنانچہ میری یہ تمنّا پوری ہوگئی۔سب سے پہلے حضرت مسیح موعودؑ نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور کلمہ شہادت پڑھا۔جسے ہم نے دُہرایا۔اس کے بعد رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ وَ اعْتَرَفْتُ بِذَنْبِیْ فَاغْفِرْ لِیْ ذُنُوْبِیْ فَاِنَّہ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّآ اَنْتَ تین مرتبہ پڑھا۔جو الفاظ حضورؑ بیعت لیتے وقت پڑھا کرتے تھے ہم نے دہرائے۔پھر اس کے بعد ترجمہ اُردو کہلواتے تھے۔کہ اے میرے ربّ میں اپنے گناہوں کا اقرار کرتا ہوں تو میرے گناہ بخش دے کیونکہ تیرے سوا کوئی گناہ بخشنے والا نہیں۔اس کے بعد حاظرین سمیت ہاتھ اٹھا کر لمبی دُعا فرمائی۔میں نے قادیان میں قریباً دو ہفتے قیام کیا۔پھر نومبر 1907ء میں بمعہ اپنے دونوں بھائیوں اور بیوی کے پورا مہاجر بن کر اور ہجرت کا عزم بالجزم کرتے ہوئے قادیان آ گیا۔

رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم
کی فقیرانہ زندگی اور دنیا سے استغنا

بادشاہ نبی:

دُنیا میں کئی نبی ایسے گزرے ہیں جو بادشاہ بھی تھے۔مثلاً حضرت ایوبؑ،حضرت داؤد،حضرت سلیمانؑ، حضرت کرشنؑ ۔ یہ اپنے اپنے وقت میں اَپنے اپنے ملک کے بادشاہ بھی تھے۔ اور خدا کی طرف سے تبلیغ وہدایت کا کام بھی ان کو تفویض کیا گیا۔ ان کے قیمتی محل بھی تھے اور بعضوں کی ایک سے زیادہ بیویاں بھی تھیں۔ یہ امیرانہ اور شاہانہ ٹھاٹھ رکھتے تھے۔ جاہ وجلال کے تمام وہ سامان ان کے پاس تھے۔ جو بادشاہوں کے شان کے لائق ہوتے ہیں۔ دَرباروں میں بیٹھتے تھے۔ سونے چاندی کے برتن اور زرِّیں پلنگ اور ہر قسم کا فرنیچر ان کے ہاں موجود تھا۔ سواری کے لئے پالکیاں، رَتھ گھوڑے، ہاتھی وغیرہ سب موجود تھے۔ باوجود اِن جاہ وحشم کے سامانوں کے وہ خدا کے مقرّب اور پیارے تھے اور ان تمام زینت کے سامانوں سے تمتع کرنا ان کے لئے جائز اور بعض حالات میں ضروری تھا۔ کوئی شخص بھی اس بناء پر ان کے مقام نبوت پر حرف نہیں رکھ سکتا۔ لیکن ایک مقام اس سے بھی اعلیٰ ہے جو انبیاء میں سے صرف ایک ہی مقدّس نبیؐ کے لئے مختص ہے۔ وہ نبی حضرت محمد رسول ﷺ ہیں اور آپ کے سوا کسی کو یہ مقام نصیب نہیں ہوا اور نہ ہو سکتا ہے۔

امیری میں فقیری:

حضرت محمدؐ رسول ﷺ سب سے بڑے نبی اور اوتار ہونے کے علاوہ ملک عرب کے بادشاہ بھی تھے۔ حجاز کے علاوہ یمن، بحرین وغیرہ دُور دراز مقامات سے خراج کا روپیہ آتا تھا۔ اگر آپ بادشاہوں کی طرح زندگی بسر کرنا چاہتے تو کوئی چیز مانع نہ تھی اگر آپ چاہتے تو اپنی بیویوں کو سونے چاندی کے زیورات سے لاد دیتے۔ اور اپنے رہنے کے لئے اعلیٰ درجہ کے محلات بنوا لیتے۔ اپنے گھروں کو قیمتی اسباب سے آراستہ

رکھتے۔لونڈیاں اور غلام آپ کی خدمت کو حاضر ہوتے۔ مکلّف کھانے آپ کے لئے تیار ہوتے۔لیکن اس کے خلاف ہم کیا دیکھتے ہیں کہ یہ آپ نے باوجود استطاعت اور باوجود عرب کے سب سے بڑے سردار اور بادشاہ ہونیکے فقیری کو امیری پر ترجیح دی۔ دنیا کا مال و دولت جمع کرنا اور اپنے گھر میں رکھنا اپنے درجہ اور مقام کی ہتک خیال فرمایا۔ایسی سادہ زندگی بسر کی جو تمام مخلوقات کے لئے ایک اعلیٰ درجہ کا نمونہ ہے۔اس بارے میں کوئی اور نبی یا اوتار آپ کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ جہاں آپ عرفانِ الٰہی کے سب سے اونچے مقام پر پہنچے۔اور نبوت کے تمام مدارج آپ پر ختم ہوگئے۔ وہاں یہ بات بھی بلاخوف تردید کہی جاسکتی ہے کہ آپ سادہ زندگی کے انتہائی مقام پر پہنچے ہوئے تھے۔

چند مثالیں:

آپ کی سادہ زندگی کا ذکر سیرتِ نبوی کا ایک مستقل اور نہایت شاندار باب ہے۔جس کی تفصیل کے لئے کئی جزو بھی کفایت نہیں کرسکتے۔اس مختصر مضمون میں چونکہ ان کا بالتفصیل بیان محال ہے۔اس لئے چند موٹی موٹی مثالیں بیان کی جاتی ہیں۔

خوراک اور پوشاک:

حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں۔آلِ محمدﷺ (یعنی رسول کریمؐ کی بیویوں اور بیٹی) کے گھر اس وقت تک کہ آپ نے اس جہان سے انتقال فرمایا۔کسی نے متواتر تین دن تک پیٹ بھر کر کبھی کھانا نہ کھایا۔ کہنے والے نے تو ایک فقرہ کہہ دیا اور سننے والوں نے سن لیا۔لیکن ذرا غور تو کرو کہ اس حدیث کے ایک ایک لفظ میں کس قدر استغناء کا خزانہ اور معرفت الٰہی کے کتنے دفتر چھپے ہوئے ہیں۔

آپ کی زندگی کے ہر شعبہ میں توکّل علی اللہ کی شان نمایاں تھی۔تمام عمر میں کبھی کوئی فرمائشی کھانا نہ پکوایا۔ اور نہ کسی خاص پوشاک یا خاص کپڑے پر طبیعت آئی۔چنانچہ ایک مشہور حدیث میں آپ خود فرماتے ہیں۔

حببت اِلیَّ من دنیاکُمُ الثلاث الطیّب و النساء قرة عینی فی الصلوٰة

ترجمہ: تمہاری دنیا میں سے تین چیزیں مجھے محبوب ہیں۔

اول:خوشبو دوم:عورتیں سوم: آنکھوں کی ٹھنڈک جو نماز میں مجھے میسر آتی ہے۔

مال سے استغنا:

آپ کے پاس ایک دفعہ بحرین کا خراج آیا۔مسجدِ نبوی کے صحن میں روپوؤں کا ڈھیر لگا دیا گیا۔ کیونکہ آپ نے با قاعدہ کوئی خزانہ نہ رکھا تھا۔حضورِ انورؐ کی عادت تھی کہ ادھر روپیہ آیا۔ ادھر فوراً تقسیم یعنی فقراء، مساکین، یتامٰی، بیوگان اور وظیفہ خواران میں تقسیم کر دیا۔اس روپے میں سے اپنے اہل بیت کو بھی آپ حصہ مقررہ یعنی خمس دیتے۔غرضیکہ کبھی ایک پائی بھی اپنی گرہ میں یا اپنے گھر میں جمع نہ رکھتے۔ درہموں اور دیناروں کا یہ ڈھیر صحن مسجد میں پڑا تھا۔اور آپ اس وقت مسجد میں تشریف فرما تھے۔ کہ اتنے میں آپ کے بزرگ چچا حضرت عباسؓ مسجد میں تشریف لے آئے۔انہوں نے اس سے پہلے درہم و دینار کا ڈھیر اس طرح کھلا پڑا کبھی نہ دیکھا تھا۔ پہلے تو ڈھیر کو غور سے دیکھا۔ پھر عرض کی۔ یا رسول اللہؐ اگر آپ اجازت دیں تو میں اس ڈھیر میں سے کچھ رقم لے لوں۔آپ نے فرمایا۔ ہاں،حضرت عباسؓ نے اپنی چادر بچھا دی اور دونوں ہاتھوں سے روپیہ اس میں ڈالنے لگے۔ جب دیکھا کہ ایک آدمی کا بوجھ ہو گیا ہے۔تو آپ نے گٹھڑی باندھی اور پھر دونوں ہاتھوں سے اٹھا کر گٹھڑی کو سر پر رکھنا چاہا۔لیکن گٹھڑی اتنی وزنی ہو گئی تھی کہ ان سے اٹھ نہ سکی۔ انہوں نے آپ سے مخاطب ہو کر عرض کی یا رسول اللہؐ! ذرا میری مدد فرمایئے۔اور گٹھڑی میرے سر پر رکھوا دیجئے۔ ہر چند آپ اپنے چچا کی بے حد عزت کرتے تھے۔اور ہر بات میں ان کی خاطر آپ کو منظور ہوتی لیکن اس موقع پر آپ نے صاف فرما دیا نہیں ایسا نہیں ہو سکتا، نبی ایسا کام نہیں کیا کرتا۔آپ کا انکار کہے دیتا ہے کہ آپ نے اپنے چچا کے اس فعل کو ناپسند فرمایا۔یعنی روپے کی خواہش کو ان کی خاطر سے آپ نے ان کو روپیہ لے جانے کی اجازت دے دی مگر جب انہوں نے اس کام میں آپ کی امداد چاہی تو آپ نے صاف انکار کر دیا اور اپنی ناپسندیدگی کا اظہار بھی صاف مونہہ پر کر دیا۔

میں نے پہلی مرتبہ یہ واقعہ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ کی زبان مبارک سے 1909ء یا 1910ء میں سنا تھا۔اس کے ذکر کے بعد فرمایا نبی کریم ﷺ کی آنکھوں کے سامنے کیونکہ حضرت عباسؓ سے یہ فعل سرزد ہوا جو آپ کی نظر میں ناپسند تھا اس وجہ سے بنی اُمیہ حصول سلطنت میں بنی عباس پر سبقت لے گئے۔اور بنی عباس کی حکومت ڈیڑھ سو سال پیچھے جا پڑی۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ آپ مسجد میں نماز پڑھا رہے تھے پیچھے صحابہ کی جماعت کھڑی تھی یکا یک آپ مصلّے سے ہٹ کر صفیں چیرتے ہوئے مسجد سے نکل کر اپنے گھر میں داخل ہوئے اور لوگوں نے بھی نماز چھوڑ

دی۔مگر سب خاموش بیٹھے رہے۔تھوڑی دیر کے بعد آپ واپس تشریف لائے۔اور نماز پڑھائی۔سب حیران تھے کہ آپ نماز چھوڑ کر جو گھر گئے۔اس میں کیا راز تھا۔ایک صحابی نے جرأت کر کے عرض کیا حضور کیا بات تھی کہ آپ نماز چھوڑ کر گھر تشریف لے گئے؟ آپ نے فرمایا نماز پڑھتے پڑھتے مجھے یاد آیا کہ ایک سونے کی ڈلی ہمارے گھر میں پڑی ہے۔میں نے سوچا اگر میری اسی وقت گھر جانے سے پیشتر جان نکل جائے تو لوگ کیا کہیں گے کہ محمد رسول اللہؐ کے گھر سے سونا نکلا۔

آپ کی مرض الموت میں آپ کی بیویاں اور دیگر اہل بیت آپ کی تیمارداری کرتے۔جس دن آپ کا وصال ہوا۔حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں۔میں نے اس روز اپنے ہمسایہ کے گھر سے تیل منگوایا کیونکہ تیل گھر میں ختم ہو گیا تھا اور ہمارے پاس کوئی نقدی نہ تھی جس سے تیل منگواتے۔

اوپر کی چند مثالیں اس بات کا بین ثبوت ہیں۔کہ آنحضرت ﷺ کو دنیا کے ساتھ ذرا بھی پیار نہ تھا۔ آپ کی ساری محبت اور آپ کا سارا پیار ایک ہی ذات یعنی قادر مطلق کے ساتھ تھا۔جسے اللہ کہتے ہیں۔

(مطبوعہ الفضل 6 نومبر 1932ء)

حضرت مسیح موعودعلیہ السلام کی بعثت کب ہوئی؟

حضرت مولوی عبداللہ صاحب سنوریؓ مرحوم ومغفور کے انتقال پر جناب شیخ یعقوب علی صاحب عرفانیؓ نے الفضل میں اُن کے سوانح زندگی تین اقساط میں شائع کرائے ہیں۔جس کے لئے احمدی جماعت کوشیخ صاحب کاشکرگزار ہونا چاہیےلیکن میرے نزدیک ان حالات میں ایک تاریخی غلطی ہوگئی ہے۔جس کی اصلاح ضروری ہے۔

شیخ صاحب نے 18اکتوبر 1927ء کے پرچے میں لکھاہے''ابتدائی ایام میں جبکہ ابھی آپ کی بعثت نہ ہوئی تھی۔منشی صاحب آپ کے مختار،آپ کے کاتب خطوط اور گھر کے دُوسرے امور کے سرانجام دینے کی خدمات سے ممتاز ہوا کرتے تھے اور بعض سفروں میں حضرت صاحب نے خصوصیّت سے اُن کو اپنے ساتھ رکھا۔جیسا کہ میں آگے چل کر ذکر کروں گا''۔

اس اقتباس سے یہ ظاہر ہے۔کہ شیخ صاحب کے خیال میں مولوی عبداللہ صاحبؓ ان دنوں حضرت صاحب کی خدمت میں پہنچے۔جبکہ حضرت مسیح موعودؑ خداتعالیٰ کی طرف سے مبعوث نہ ہوئے تھے۔یعنی مامور نہ تھےمگر 14اکتوبر کے پرچے میں آپ رقمطراز ہیں۔

(مولوی عبداللہ صاحب سنوریؓ) اسی خیال میں تھے کہ حضرت مسیح موعودعلیہ السلام کی سب سے پہلی تصنیف براہین احمدیہ کا چرچا پٹیالہ میں شروع ہوا۔خلیفہ سید محمد حسن خانصاحب بہادر وزیراعظم مرحوم اس کتاب کے معاونین میں شریک ہوئے اوراسی ذریعہ سے بعض دوسرے لوگوں تک بھی اس کی خبر پہنچی اورشدہ شدہ مولوی محمد یوسف صاحب مرحوم کو بھی یہ مژدہ جانفزا پہنچ گیا۔اورانہوں نے اپنے رشید بھانجے کی منزل کوقریب کردیا اورشاہدمقصود کا پتہ یہ کہہ کر دیا کہ قادیان میں ایک بزرگ نے اس دعوے سے کتاب لکھنی شروع کی ہے کہ خداتعالیٰ کی طرف سے ملہم ومامور ہے۔

اس اقتباس سے معلوم ہوا کہ مولوی عبداللہ صاحب سنوریؓ اس وقت حضرت صاحب کی خدمت میں پہنچے تھے۔جبکہ آپ براہین احمدیہ کی دوتین جلدیں چھپوا کر شائع فرما چکے تھے اور یہ بات 21اکتوبر کے

الفضل کی ابتدائی سطور سے بھی صحیح ہے جہاں شیخ صاحب نے لکھا ہے کہ ’’حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ آپ کے تعلقات کی ابتداء جہاں تک پتہ چلتا ہے وہ 1883ء ہے۔ سارے مضمون کو پڑھنے کے بعد اور اوپر کے اقتباسات پر غور کرکے یہ امر ظاہر ہے کہ شیخ صاحب کے بیان میں تناقض ہے۔ یعنی 14 اکتوبر کے پرچے میں آپ مانتے ہیں کہ گویا حضرت صاحب کی بعثت 1883ء میں نہیں ہوئی تھی۔ حالانکہ آپ 1882ء مطابق 1300 ہجری میں مبعوث ہو چکے تھے۔ الہام کا دعویٰ تو اس سے مدت پہلے کا تھا۔ چنانچہ رسالہ ’’قادیان کے آریہ اور ہم‘‘ میں آپ لکھتے ہیں کہ آج سے 35 سال پیشتر

یَاْتُوْنَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْق (تذکرہ ۳۹۵،۳۰۱،۲۹۵،۲۴۶،۳۹)

یعنی تیرے پاس بہت دور دور سے لوگ آئیں گے والا الہام آپ کو ہوا تھا یعنی 1872ء میں براہین احمدیہ کے پڑھنے سے واضح ہوتا ہے کہ مارچ 1882ء میں آپ کو مفصل طور پر ماموریت کی وَحی ہو چکی تھی اور یہ چودھویں صدی کی ابتداء تھی۔ پس یہ کہنا کسی صورت میں درست نہیں ہو سکتا کہ 1883ء میں آپ مامور نہ ہوئے تھے۔ آپ کی بعثت 1882ء میں ہو چکی تھی۔ چنانچہ حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے اپنی کتاب ’’سیرت المہدی‘‘ میں بڑی تحقیق و تدقیق کے بعد آپ کی بعثت کا سنہ یہی قرار دیا ہے۔ چنانچہ آپ تحریر فرماتے ہیں

’’حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو یوں تو الہامات کا سلسلہ بہت پہلے سے شروع ہو چکا تھا۔ لیکن وہ الہام جس میں آپ کو خدا تعالیٰ کی طرف سے اصلاح خلق کے لئے صریح طور پر مامور کیا گیا۔ مارچ 1882ء میں ہوا۔ جبکہ آپ براہین احمدیہ حصہ سوم تصنیف فرما رہے تھے۔‘‘ (سیرت المہدی صفحہ 31)

چونکہ یہ ایک بڑی بھاری تاریخی غلطی ہے جس کی تصحیح ضروری ہے۔ اس لئے میں نے یہ سطور لکھنی ضروری سمجھیں۔

ادارہ الفضل: جناب حضرت ماسٹر نعمت اللہ گوہر صاحبؓ کے اس مضمون میں ایک اہم اَمر پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اور جیسا کہ اُنہیں اپنی تائید میں حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ ایم اے کی تحقیقات بھی مل گئی ہے۔ ان کا پہلو بہت مضبوط ہو گیا ہے۔ تاہم اگر جناب عرفانی صاحب یا کوئی اور بزرگ اس بارے میں کچھ ارقام فرمائیں تو شکریہ کے ساتھ درج کیا جائیگا۔ (اخبار الفضل 4 نومبر 1927)

☆☆☆

مسیح محمدی کا آخری سفر

چودھری (نعمت اللہ گوہر) صاحب پہلے شخص ہیں۔ جو حضورؑ کی شدید ترین بیماری کی خبر سن کر قادیان پہنچے تھے۔ اور اُن کے آنے کے ساتھ ہی حضورؑ کی وفات کے متعلق تار بھی پہنچ گیا تھا۔

(ایڈیٹر الحکم قادیان 28 مئی و 7 جون 1939ء)

ہاں اُٹھا اے ساحرِ ایّام یہ جادُو ذرا
عہدِ بگذشتہ پہ پانے دے مجھے قابو ذرا
خُون رُلواتی ہے دل کو صحبت مرزا کی یاد
آج مجنوں کو ہے تڑپاتی رُخِ لیلےٰ کی یاد
باتوں ہی باتوں میں قرنِ زندگی اک کٹ گیا
سایہ اپنا بڑھ گیا اور نورِ فطرت گھٹ گیا

وہ لوگ جنہوں نے دِلّی کا غدر اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ لڑکپن میں ہمیں غدّر کے واقعات سناتے تو ہم غدر کے زمانے کو بہت دُور دراز کا زمانہ خیال کرتے تھے۔ حالانکہ سنانے والے کے نزدیک وہ کل کی سی بات ہوتی تھی۔ اب ہم اپنے ذاتی تجربہ کی بناء پر کہہ سکتے ہیں کہ فی الواقعہ سال وماہ کا گذرنا ایک وہم ہے۔ زمانہ نہیں بدلتا بلکہ ہم خود بدلتے ہیں۔ اور ہمیشہ بدلتے رہتے ہیں۔ اس لئے یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ زمانہ بدل گیا۔ حضرت مسیح موعودؑ کا آخری زمانہ اور آپ کی وفات کے واقعات میں نے اپنی آنکھ سے دیکھے ہیں۔ آج حضور کی وفات پر اکتیس سال اور تحریر وصیت پر ساڑھے تینتیس سال گذر چکے ہیں لیکن مجھے قطعاً یقین نہیں آتا کہ فی الواقعہ اتنی مدت گذر چکی ہے میرے نزدیک وہ بالکل کل کی سی بات ہے۔

اپریل ۱۹۰۸ء کا آخری عشرہ تھا۔ کہ حضرت اَقدّس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قادیان سے لاہور جانے کا عزم فرمایا۔ اس سفر کیلئے یہ تقریب پیش آئی کہ حضرت اُمّ المومنینؓ کی طبیعت ناساز تھی۔ اور وہ بار بار لاہور جانے اور وہاں جا کر تبدیلی آب وہوا کے ذریعہ صحت یاب ہونے پر زور دیتی تھیں۔ حضرت اقدّسؑ کو چونکہ اس سے پہلے اپنی وفات کے متعلق اطلاعیں مل چکی تھیں۔ اس لئے حضورؑ قدرتاً سفر سے باز

رہنے کی کوشش کرتے تھے۔ میں ان دنوں قادیان میں ہی تھا۔ کیونکہ 1907ء میں بمعہ اپنے خویش و اَقارب کے ہجرت کر کے قادیان میں آ رہا تھا۔ ایک دن سرشام ہی اطلاع ملی کہ حضرت اقدس مسیح موعودؑ نے لاہور جانے کا عزم فرمایا ہے۔ اس لئے ایک دو چھکڑے اور ایک آدھ بیلی اور شاید ایک دو یکے بھی شام ہی کو بٹالہ جانے کیلئے تیار کھڑے پائے گئے۔ حضورؑ نے فجر کے وقت روانہ ہونا تھا۔ میں اور دوسرے کئی احمدی تھوڑی رات رہے جبکہ لوگ تہجد کی نماز میں مشغول تھے۔ لوگ اپنے اپنے گھروں سے نکل کر احمدی بازار میں آئے۔ تا کہ حضرت اقدؑس کی روانگی کے وقت کوئی خدمت بجالائیں جب ہم مسجد مبارک کے قریب آئے۔ تو کسی نے بتایا۔ کہ حضرت اقدؑس نے اپنا سفر ملتوی کر دیا ہے۔ کیونکہ آپ کو یہ الہام آج شب کو ہوا ہے:

مباش ایمن از بازیٔ رُوزگار۔ (تذکرہ ۶۳۸)

ترجمہ: زمانے کے کھیل سے بے خوف نہ رہ۔ چنانچہ آپ خائف ہوئے اور اس روز سفر کو ملتوی کر دیا۔ ایک دو روز کے بعد حضرت اُمّ المومنینؓ نے پھر لاہور جانے پر زور دیا۔ تو آپ خدا کا نام لے کر چل ہی پڑے۔ اپنے ہاتھ سے مکان کو تالا لگایا۔ اور تمام اہل بیت کے ہمراہ عازم سفر ہوئے۔ اور بٹالہ پہنچ گئے۔ بٹالہ جا کر آپ نے فرمایا کہ چند روز بٹالہ ہی میں قیام کرتے ہیں۔ لاہور جانے کی چنداں ضرورت نہیں۔ لیکن چونکہ حضرت اُمّ المومنینؓ کی خاطر منظور تھی۔ لہذا لاہور کو روانہ ہو گئے۔ اور اُسی روز وہاں بخیر و عافیت پہنچ گئے۔

میں نے اس سال ٹریننگ کالج لاہور میں داخل ہونا تھا۔ چنانچہ ماہ مئی کے نصف کے قریب میں وہاں پہنچ گیا اس طرح مجھے غالباً دو ہفتے تک لاہور میں رہنے اور حضرت اقدس کے آخری حالات اور واردات کو بچشم خود دیکھنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ اور میں احمدیہ بلڈنگز میں خواجہ کمال الدینؓ صاحب مرحوم کے مکان پر فروکش ہوا تھا۔ حضرت اقدس کی تشریف آوری لاہور کی تقریب سے سینکڑوں احمدی اَحباب دور و نزدیک سے آ کر دِن رات احمدیہ بلڈنگز میں ڈیرے ڈالے پڑے رہتے تھے۔ رات کو احمدیہ بلڈنگز کے وسیع میدان میں گھاس پر چٹائیاں بچھا کر سو رہتے تھے۔ حضورؑ حسب معمول دن کے وقت نمازوں میں باہر تشریف لایا کرتے تھے۔ خدّام اور زائرین کا ان اوقات میں جمگھٹا ہوتا تھا۔ سائل اپنے سوالوں کا جواب تسلی بخش پاتے تھے اور دیدار کے بھوکے حضورؑ کے روشن چہرہ ہی کو دیکھ کر سیراب ہو جاتے۔ حضرت مفتی محمد صادقؓ صاحب ان دنوں اخبار بدر کے ایڈیٹر تھے۔ ان کو حضرت اقدسؑ نے لاہور میں بلوا کر حکم دیا تھا کہ حضور کے قیام لاہور تک اخبار ’بدر‘ لاہور ہی سے شائع ہوا کرے۔ چنانچہ حضورؑ کی ڈائری اور تازہ الہامات لاہور ہی سے بذریعہ

اخبار خریداروں کی خدمت میں ارسال ہوا کیے۔

غالباً 19 یا 20 مئی کو حضور پرانے مرض اسہال سے بیمار ہوئے اور دو تین دن صاحب فراش رہے۔ 22 مئی کو جمعہ کا روز تھا۔ حضورؑ کو افاقہ ہو گیا اور حضورؑ جمعہ کی نماز میں شریک ہوئے۔ حضرت خلیفہ اوّلؓ نے خطبہ دیا نماز جمعہ سے فارغ ہو کر حضورؑ اپنی قیام گاہ کی طرف تشریف لے جا رہے تھے کہ میں نے اور صوفی غلام محمد صاحب بی۔اے نے لپک کر گلی کے اندر حضورؑ سے مصافحہ کیا۔ میں نے حضورؑ کے چہرہ کو دیکھا تو گلاب کے پھول کی طرح کھلا ہوا پایا۔ بیماری کی کوئی علامت نہ تھی۔ اس سے اگلے دن حضورؑ نے شہر کے بعض ہندو شرفاء کی درخواست پر ایک لیکچر لکھنا شروع کیا۔ جس کا عنوان ''پیغام صلح'' تجویز ہوا تھا۔ ایک کاتب نے ساتھ کے ساتھ کتابت بھی شروع کر رکھی تھی۔ اس لیکچر کا موضوع ''ہندو مسلم اتحاد'' تھا اور آپ کی وفات کے بعد چھپ گیا تھا۔ اس میں ''ہندو مسلم اتحاد'' کا جو بنیادی اصل قائم کیا گیا ہے وہ اپنی نظیر آپ ہے۔

باوجود اس وقتی صحت یابی کے حضورؑ ہر وقت سفر آخرت کیلئے تیار نظر آتے تھے۔ وجہ یہ تھی کہ حضور کو پچھلے دو سالوں میں پے در پے خبریں اپنی وفات کی ملتی رہی تھیں۔ اور اب دوران قیام لاہور میں ذیل کے تازہ الہامات ہوئے تھے:

(1) **مکن تکیه بر عمر ناپائدار** (ناپائیدار عمر پر بھروسہ مت کر) (تذکرہ ۶۴۰)

(2) مت ڈرو مومنو (تذکرہ ۶۳۹)

(3) خوشیاں منائیں گے۔ (تذکرہ ۶۳۰)

یہ الہام میرے سامنے اخبار بدر میں چھپ کر شائع ہوئے۔ اس سے قریباً ایک ماہ پیشتر جبکہ آپ لاہور جانے کی تیاری کر رہے تھے۔ اس وقت بھی آپ کو **اَلرَّحِیْلُ ثُمَّ الرَّحِیْلُ** (تذکرہ ۹ مئی ۱۹۰۸) کا الہام ہوا تھا۔ لیکن اکثروں نے اس وقت یہ خیال کیا کہ حضورؑ کوئی سفر کریں گے۔ سفر آخرت کا خیال شاید ہی کسی کو آیا ہو۔

ایک دن کا ذکر ہے کہ نماز عصر کے بعد حسب معمول آپ مصلّے پر بیٹھے تھے۔ احباب کا ایک گروہ جھرمٹ ڈالے اِرد گرد بیٹھا ہوا تھا۔ خواجہ کمال الدینؓ صاحب بھی موجود تھے۔ پیغام صلح کا مضمون کاتب لکھ رہا تھا اور خواجہ صاحب اپنی نگرانی میں اسے لکھوا رہے تھے۔ حضورؑ نے پوچھا کہ خواجہ صاحب! مضمون کا کیا حال ہے؟ خواجہ صاحب نے کہا کہ حضورؑ کاتب لکھ رہا ہے۔ حضورؑ نے فرمایا کہ خواجہ صاحب جلدی کیجئے۔ کیا

آپ دیکھتے نہیں کہ ہماری صحت کا کیا حال ہے؟

یہ مضمون ایک جلسہ عام میں پڑھا جانا تھا۔ 25 مئی کو آپ اپنا مضمون ختم کر چکے تھے۔ شام کے وقت غروب آفتاب کے بعد حسب معمول ہوا خوری کو جانے لگے۔ تو فرمایا کہ ''آج ہم اپنا کام ختم کر چکے ہیں۔'' فی الواقعہ آپ کا آخری کام ہی ثابت ہوا۔ یہ کہہ کر مستورات اہل بیت کی معیت میں بند گاڑی میں بیٹھ کر ہوا خواری کو حسب معمول تشریف لے گئے۔ وہاں سے واپس آ کر کھانے پر بیٹھے۔ حضرت خلیفہ ثانی مرزا محمود احمد سلمہ اللہؓ کی روایت ہے کہ حضورؑ نے چند لقمے کھائے تھے کہ جائے ضرور میں جانے کی حاجت محسوس ہوئی آپ فوراً کھانے سے ہاتھ اُٹھا کر جائے ضرور میں چلے گئے۔ وہاں سے لوٹ کر بستر پر دراز ہو گئے۔ تھوڑے وقفے کے بعد پھر حاجت ہوئی اور اسہال آنے لگے۔ گویا وہی مرض جس میں حضورؑ ہفتہ گذشتہ میں مبتلا ہوئے تھے۔ تین دن کے فاقہ کے بعد عود کر آیا۔ جماعت کے لوگوں میں کھلبلی مچ گئی۔ سب مضطرب الحال تھے۔ مگر اس بات کا غالباً کسی کو بھی یقین نہ تھا کہ حضورؑ اگلی صبح کو داغِ مفارقت دے جائیں گے۔ آدھی رات کے وقت اکثر جماعت کے لوگ اُٹھ کر نماز تہجد میں مصروف ہو گئے۔ میں نے بھی نماز تہجد پڑھی۔ اور دو نفل خاص حضورؑ کی صحت کی دعا کے لئے پڑھے۔ اس وقت میر محمد اسحٰقؓ صاحب اتفاقاً باہر آئے۔ تو میں نے ان سے حضورؑ کی طبیعت کا حال پوچھا۔ اُنہوں نے کہا۔ کہ حضورؑ کو دست آتے رہے ہیں۔ میں نے پوچھا۔ کیا کوئی قے بھی آئی ہے؟ انہوں نے جواب دیا۔ کہ ہاں قے بھی آئی ہے۔ سحری کے وقت یعنی نماز فجر کی اَذان سے ذرا پہلے سید محمد احسن صاحب امروہیؓ باہر تشریف لائے۔ میں نے اُن سے حضورؑ کا حال پوچھا۔ اُنہوں نے کہا کہ تکلیف بہت ہے اور حضورؑ نے کچھ وصیت بھی کی ہی۔ یہ ان کا خیال صحیح نہ تھا۔ وصیت تو حضورؑ ڈھائی سال پہلے ہی کر چکے تھے۔ بات یہ تھی کہ حضورؑ سے بوجہ انتہائی ضعف بولا نہیں جاتا تھا۔ اس لئے حضورؑ نے کاغذ پر لکھ کر بتایا جو الفاظ حضورؑ نے کاغذ پر لکھے وہ یہ تھے:

''تکلیف یہ ہے کہ بولا نہیں جاتا۔ دوا دی جائے۔''

یہ الفاظ سوائے ایک شخص یعنی میر مہدی حسین صاحبؓ کے اور کسی سے پڑھے نہیں جاتے تھے۔ میر صاحب نے پڑھ کر بتایا۔ کہ یہ فقرہ لکھا ہے۔

بہت سے خدّام خدمت میں حاضر تھے۔ ہر دو ڈاکٹر صاحبان یعنی ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگؓ مرحوم اور ڈاکٹر سید محمد حسینؓ شاہ مرحوم۔ سید محمد احسنؓ صاحب خواجہ صاحبؓ وحضرت خلیفہ اوّل وحضرت خلیفہ ثانیؓ وغیرہ

ہم تمام شب خدمت میں حاضر رہے۔کوئی سائیکل پر دوڑا جارہا ہے۔کوئی بھاگم بھاگ نہر سے احمدیہ بلڈنگ کو آرہا ہے۔اتنے میں فجر ہوگئی ہے اور جب حضورؑ نے پلنگ پوش پر ہاتھ مار کر تیمّم کیا۔اور لیٹے لیٹے نماز پڑھی۔اس کے بعد تکلیف بڑھتی چلی گئی۔مجھے اسی روز ہیڈ ماسٹر صاحب تعلیم الاسلام ہائی سکول نے قادیان بلایا تھا۔اس لئے مجبوراً ۹ بجے دن کے قریب میں احمدیہ بلڈنگز سے روانہ ہوکر ریلوے سٹیشن پر پہنچ گیا۔دس بجے گاڑی میں سوار ہوگیا۔اُدھر ٹھیک دس بجے حضورؑ کی رُوح قفسِ عنصری سے پرواز کرگئی۔

اِنَّالِلّٰہِ وَاِنَّآاِلَیْہِ رَاجِعُوْن

حضورؑ کی وفات کے بعد فوراً جماعتوں کے سیکرٹریوں یا پریزیڈنٹوں (صدور) کے نام، گورنمنٹ آف پنجاب اور انڈیا کے نام، مرزا سلطان احمد صاحب مرحوم کے نام، قادیان میں مولوی محمد علیؓ صاحب ایم۔اے کے نام تاریں ارسال کی گئیں۔قادیان میں تار خبر شام پانچ بجے کے قریب پہنچی۔میں بھی لاہور سے چار بجے کے قریب قادیان پہنچ گیا تھا۔ان دنوں بٹالہ سے قادیان تک بذریعہ کچی سڑک کے جواب تک موجود ہے یکوں میں بیٹھ کر سفر کرنا پڑتا تھا۔چنانچہ بٹالہ پہنچ کر میں نے یکہ لیا۔میرا ہمسفر اس روز اتفاقاً لالہ شرمپت تھا۔جو قادیان کا باشندہ اور حضرت اقدسؑ کی بہت سی پیشگوئیوں کے پورا ہونے کا چشم دید گواہ تھا۔اُنہوں نے مجھ سے حضرت صاحب کا حال دریافت کیا۔میں نے کہا کہ میں حضورؑ کو بہت تکلیف کی حالت میں چھوڑ کر چلا تھا۔اُنہوں نے کہا کہ وہ بیمار تو پہلے بھی رہتے ہیں۔میں نے کہا آج زیادہ بیمار تھے اور ایمان کی بات تو یہ ہے کہ مجھے بوجہ فرطِ محبت کے یہ یقین ہرگز نہ تھا کہ حضورؑ ضرور بالضرور آج ہی فوت ہوجائیں گے۔اس لئے میں نے بجز مولوی محمد علیؓ صاحب کے اور کسی کے پاس فوراً اس کا ذکر کرنا مناسب نہ سمجھا۔لیکن ایک گھنٹہ شاید گذرا ہوگا کہ حضورؑ کی وفات کی خبر قادیان میں پہنچ گئی۔تمام قادیان شام کے وقت اسی طرح ماتم کدہ بنا ہوا تھا جس طرح صبح کے دس بجے احمدیہ بلڈنگز کی عمارت ماتم کدہ بنی ہوئی تھی۔

قادیان میں جب حضورؑ کی وفات کی تار پہنچی۔تو لوگوں کو یقین نہ آیا کہ یہ خبر سچی ہے۔بلکہ شُبہ گذرا کہ شاید کسی دشمن نے تار دی ہو۔اتنے میں جناب مولوی محمد علیؓ صاحب نے شیخ یعقوب علیؓ صاحب سے کہا کہ گوہر صاحب (یہ خاکسار) اَبھی اَبھی لاہور سے آئے ہیں اُن سے پوچھنا چاہیئے۔نماز مغرب کا وقت قریب تھا۔تمام مسجد نمازیوں سے بھری ہوئی تھی میں بھی مسجد میں پہنچا۔میں نے حضورؑ کی شدید علالت کا حال کھول کر بیان کیا اور جو الہامات حضور کو دو تین روز پیشتر ہوئے تھے۔وہ بھی سنائے۔تب لوگوں کو یقین آیا کہ تار کی خبر سچی ہے۔اور فی الواقعہ حضورؑ رحلت فرما گئے ہیں۔

اُدھر لاہور میں جب حضورؑ کی وفات ہوئی۔تو دِن کے دَس بجے کا وقت تھا۔حضورؑ کو غسل اور کفن دیا گیا۔ حضورؑ کی وفات کی خبر سارے شہر میں بجلی کی طرح پھیل گئی تھی۔ جماعت کے لوگ دُور دَراز محلوں سے آ آ کر جمع ہوتے گئے۔ظہر کے وقت نماز جنازہ پڑھی گئی۔اور حضورؑ کے جسد مبارک کو ایک تابوت میں رکھ کر اِردگرد برف کے ڈلے احتیاطاً رکھے گئے۔ کیونکہ گرمی کا موسم تھا۔ان دنوں ایک گاڑی ا بجے رات کے بٹالہ پہنچا کرتی تھی۔اُس گاڑی میں حضور کی نعش مبارک بٹالہ لائی گئی۔گاڑی کے ہمراہ بہت سے اَصحاب تھے۔لاہور میں حضورؑ کی وفات پر مسلمانوں کے ایک گروہ نے یہودی مولویوں کے اِیماء سے جو شرمناک مظاہرہ (۱) پیش کیا۔وہ ان لوگوں کی روحانی اور اخلاقی موت پر گواہ ٹھہر گیا۔ان لوگوں کو اتنی جرأت تو نہ ہوئی کہ حضور کی نعش کے قریب آ کر پھٹکیں۔اور آج سے اُنیس سو برس پیشتر کے یہودیوں کی طرح مسیح وقت کی بے حرمتی پر قادر ہوسکیں۔لیکن اس میں شک نہیں۔کہ ان لوگوں نے ایک انوکھی کرتوت کر کے دنیا جہان کو دکھا دیا کہ وہ اپنے بھائیوں یعنی مسیح ناصری کے وقت کے یہودیوں سے کسی طرح رتبہ میں کم نہیں

اگر خدا کا فضل مسیح محمدی کے ساتھ شامل نہ ہوتا تو وہ ضرور اسی طرح کے کام کر کے دکھا دیتے۔جو اصل یہودیوں نے یروشلم کے شہر میں کئے تھے۔بلاشبہ ان کی نیّت وہی ہوگی۔جو آج سے 1900 برس پیشتر کے یہودیوں کی تھی۔اور چونکہ اعمال کا بدلہ نیّتوں پر موقوف ہے۔ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتُ۔اس لئے ہم بلاخوف تردید کہہ سکتے ہیں۔کہ یہ لوگ حشر کے روز اپنے اس عمل کا بدلہ اسی رنگ میں پائیں گے۔جس رنگ میں مسیح ناصری کے دشمن۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ (سورة التوبة 120)

ادھر جب قادیان میں حضورؑ کی وفات حسرت آیات کی خبر پہنچی۔تو عشاء کی نماز کے بعد بے شمار اَصحاب جن میں عاجز راقم بھی شامل تھا۔ پیدل یلغار کرتے ہوئے قادیان سے روانہ ہوئے۔اور رات وہاں پہنچ گئے۔صبح کی نماز بٹالہ میں باجماعت پڑھی گئی۔اس کے بعد یہ تجویز پاس ہوئی کہ حضورؑ کی نعش مبارک کو چارپائی پر رکھ کر مخلصین جماعت ہاتھوں ہاتھ قادیان پہنچادیں۔ چنانچہ اسی طریق پر سلسلے کے نوجوانوں نے جن میں خاکسار بھی شامل تھا،حضورؑ کی نعش مبارک کو نہایت امن اور آرام کے ساتھ نو بجے کے قریب قادیان پہنچادیا۔حضورؑ کی نعش حضورؑ کی بارہ دری میں لے جا کر رکھ گئی۔ جو مقبرہ بہشتی کے ساتھ ملحق ہے۔مرزا سلطان

حاشیہ ا: اوباشوں کے ایک گروہ نے ایک مصنوعی جنازہ تیار کر کے اور ایک شخص کو چارپائی پر لٹا کر ایک جلوس نکالا۔اور احمدیہ بلڈنگز کے پاس سے ماتم کرتے ہوئے گذرے۔مرزا مویا منگلوار۔ہائے ہائے۔مرزا مویا منگلوار وہ جاہل اور بیوقوف حضرت اقدسؑ کے منگل کے دن فوت ہونے پر خوشیاں مناتے تھے۔لیکن ان کو یہ معلوم نہ تھا۔کہ ایک نبی یا اوتار کا منگل کے دن وفات پانا تو دنیا کی تباہی یا مصائب شدید کے نزول کا پیش خیمہ تھا۔خود نبی کی ذات پر تو اس سے کچھ حرف نہ آ سکتا تھا کیا اس سے پہلے کوئی نبی یا ولی منگل کے دن فوت نہیں ہوا تھا؟ منگل کی حقیقت اور اثرات کا اثر یہ نام کے مسلمان کیا جانیں۔کسی ہندو جوتشی یا فاضل پنڈت سے پوچھئے وہ تم کو بتائے گا کہ منگل کے دن فوت ہونے والا مدعی نبوت جھوٹا نہیں ہوسکتا۔یہ بات میں نے اپنی ذاتی واقفیت اور ایک پنڈت کی شہادت کی بنا پر لکھی ہے۔

احمد صاحب کے آموں کے باغ میں حضرت خلیفہ اوّل نور الدّین اعظمؓ نے جو قبل ازیں منصب خلافت کے لئے صدر انجمن احمدّیہ کی طرف سے منتخب ہو چکے تھے نماز جنازہ پڑھائی۔ اور عصر کے وقت حضورؑ کی نعش مبارک بہشتی مقبرہ میں دفن کی گئی۔

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد
روئے گُل سیر ندیدیم و بہار آخر شد

لاہور میں حضورؑ کا قریباً ایک ماہ قیام رہا۔ اس عرصہ میں جو اہم واقعات پیش آئے۔ ناظرین کے استفادہ کے لئے درج ذیل کئے جاتے ہیں:۔

اکابر ہنود اور مسلمین سے ملاقاتیں

مسلمانوں میں سرمیاں فضل حسین صاحب مرحوم ایک خاص غرض لے کر حضورؑ کی ملاقات کو آئے۔ اور حضورؑ سے استدعا کی کہ حضورؑ اور حضورؑ کی جماعت عام مسلمانوں کو کافر کے لقب سے یاد نہ کریں۔ حضورؑ نے فرمایا۔ کہ اس بارہ میں ہم نے پہل نہیں کی۔ بلکہ اوّل مسلمان مولویوں نے مجھے کافر ٹھہرایا۔ اب حدیث کی رُو سے ہمارا حق ہے کہ ہم انہیں کافر قرار دیں۔ اُنہوں نے کہا کہ اگر دوسرے مسلمان آپ کو کافر کہتے ہیں تو کہیں۔ مگر آپ نہ کہیں۔ حضورؑ نے فرمایا کہ یہ بات تو شرع شریف سکے خلاف ہے۔ یہ ہم سے نہیں ہوسکتا۔
(ملخّص بالفاظ خود)

جلسہ دعوت

حضور نے شہر کے اکابر مسلمین کو جن میں شہزادہ محمد ابراہیم بھی شامل تھے، دعوت دی۔ اس دعوت کا اہتمام خواجہ کمال الدینؓ صاحب۔ شیخ رحمت اللہؓ صاحب وغیرہ کے سپرد تھا۔ جب تمام معززین جمع ہوگئے۔ تو حضورؑ نے گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ تک ایک موثر تقریر فرمائی۔ جس میں مختلف اسلامی مسائل پر روشنی ڈالی۔ پردہ کی ضرورت پر بھی زور دیا اور مسئلہ نبوّت اور مکالمہ مخاطبہ الٰہیہ پر بھی بحث کی۔ حضورؑ نے فرمایا۔ کہ جس مذہب کی پیروی سے مکالمہ مخاطبہ الٰہیہ کا شرف اس کے متبعین کو حاصل نہ ہو۔ وہ مذہب مردہ ہے۔ اسی طرح خدا جس طرح پہلے زمانوں میں انسان کو مقامِ نبوت تک پہنچاتا تھا۔ کیا نعوذ باللہ اب وہ مرگیا ہے کہ اب نبی نہیں بنا سکتا لیکن اس کے ساتھ ہی حضورؑ نے ختم نبوّت کی بھی وضاحت فرمادی کہ اب کوئی نیا نبی نہیں آسکتا اتنے میں کھانے کا وقت ہوگیا تھا۔ حضورؑ نے سامعین سے پوچھا کہ کھانے کا وقت ہوگیا ہے۔ اگر آپ کہیں تو تقریر جاری رکھوں۔ نہیں تو تقریر بند کردوں۔ اس پر حاضرین نے کہا کہ جسمانی غذا تو ہر روز کھاتے ہی ہیں۔ روحانی غذا تو کبھی کبھی ملتی ہے۔ لہذا حضورؑ نے اپنی تقریر پھر جاری فرمادی۔

ابناءِ زمانہ کی عقلوں پر رہ رہ کرافسوس آتا ہے کہ باوجود حضورؓ کی پوری وضاحت کے پھر بھی انکو مسئلہ ختم نبوّت کی سمجھ نہ آئی ۔ کیونکہ تقریر سے دو یوم گذرنے پر اخباروں میں مسئلہ نبوّت پر طرح طرح کی چہ میگوئیاں ہونے لگیں ۔اخبار عام جس کا ایڈیٹر ایک سناتنی پنڈت تھا۔اُس نے جلسہ دعوت کی تقریر کی بناء پر اپنے اخبار میں یہ رپورٹ شائع کی ۔کہ حضرت مرزا صاحب نے دعویٰ نبوّت سے انکار کر دیا۔لیکن آپ کی وفات پر ایک مسلمان مولوی نے ایک اسلامی اخبار میں یہ بیان دیا کہ چونکہ حضرت مرزا صاحب نے جلسہ دعوت میں یہ گستاخانہ کلام کیا تھا کہ کیا خدا اب مر گیا ہے کہ وہ نبی نہیں بنا سکتا۔اس لئے آپ کو موت نے آ پکڑا۔ان کوڑھ مغزوں کو آج تک یہ سمجھ نہیں آئی کہ حضرت مرزا صاحب نے کبھی بھی اور کسی وقت بھی ایسی مستقل نبوّت کا دعویٰ نہیں فرمایا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نبوّت سے الگ اور اُسے منسوخ کرنے والی ہو یا آپکی نبوّت نبی کریم کی نبوّت تھی ۔اور آپ کا دعویٰ نبوّت نبی کریم کے نام پر تھا۔

مضمون لمبا ہوتا جاتا ہے۔اور قابل بیان باتیں بہت ہیں۔لہذا ایک دو ضروری اُمور بیان کر کے میں اپنا بیان ختم کر دوں گا۔

مئی 1908ء کا نصف آخر تھا۔مولوی ابراہیم سیالکوٹی جو اہل حدیث ہیں۔انہوں نے وفات مسیح کے بوسیدہ مضمون سے متعلق مباحثہ کرنا چاہااور اس بارہ میں حضورؓ سے خط وکتابت شروع کی ۔حضورؓ نے مولوی محمد احسنؓ صاحب کو ان کے ساتھ خط وکتابت کرنے کا حکم دیا۔ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مولوی محمد احسن صاحبؓ کے جواب ہی نے سیالکوٹی اہل حدیث کو خاموش کر دیا اور وہ آگے نہ چل سکے ۔انہی ایام میں مولویوں نے اپنا سکہ عوام کے دلوں پر جمانے کیلئے ایک تدبیر نکالی ۔عصر کی نماز کے بعد اسلامیہ کالج کی زمین میں وہ اپنا اڈا جماتے تھے۔ یہ زمین اسلامیہ کالج کی *Play Ground* سے جانب غرب لبِ سڑک واقع تھی اور اس میں کسی شخص کا لکڑی کا ٹال بھی تھا۔ایک دو لکڑی کے تخت جوڑ کر سٹیج بنایا جاتا تھا جس پر کھڑے ہو کر مولوی اور سجادہ نشین باری باری حضورؓ کی مخالفت میں تقریریں کیا کرتے تھے۔ان مخالفین میں مولوی جعفر زٹلی۔مولوی روجی پروفیسر عربی اسلامیہ کالج ۔جماعت علی شاہ جن کو پنجابی پیر یا پنجابیوں کا پیر ہونے کا دعویٰ تھا اور شاید اب بھی ہے۔مولوی ابراہیم سیالکوٹی اور اسی نوع کے دو ایک اور مدعیانِ علم وفضل تھے۔ یہ لوگ اپنے مُنہ کی پھونکوں سے نور اللہ کو بجھانا چاہتے تھے۔اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے باغ کے ایک سرسبز اور پھلدار درخت کو کاٹنا چاہتے تھے۔ ان سے بڑھ کر ظالم اور کوڑھ مغز کون ہوسکتا تھا۔ ہم لوگ بھی اس اکھاڑے کو دیکھنے

جاتے۔ یہ لوگ فخر سے مونچھوں پر تاؤ دیکر سرِمیدان للکارتے اور شیخی بگھارتے تھے۔کوئی حضورؑ کی کتب میں صرف ونحو کی غلطیاں نکالتا،کوئی مباحثہ کا چیلنج دیتا،کوئی معراج کا مسئلہ بیان کر کےعوام النّاس کومخاطب کرتا اور کہتا کہ دیکھومرزا رسول کریم صلی اللہ علیہ سلم کے جسمانی معراج کا منکر ہے۔اور ساتھ ہی یہ بھی کہتا ہے کہ معراج کے معاملہ میں مَیں خودصاحب تجربہ ہوں۔اس پر جہلا جولب ِسڑک قطار باندھے کھڑے ہوتے تھے وہ توبہ توبہ پکاراُٹھتے۔غرضیکہ اسی قسم کی غلط بیانیاں کرکر کے ہرروز راہ گذروں اورلبِ سڑک کھڑے ہونے والے جاہلوں کو یہ لوگ سلسلہ احمد یہ سے بدظن کرتے۔ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یزیدی فوجوں نے حضرت امام حسینؓ کے خیمہ کوگھیر رکھا ہےاور چاہتے ہیں کہ اِمام الزمّان اُن کی مونہہ کی پھونکوں اور اُن کی تعلّیوں سے گھبرا کرہتھیار ڈال دیں۔مگر یہ بات تو کربلا کے میدان میں بھی یزیدیوں کونصیب نہ ہوئی تھی۔جبکہ حضرت اَمام حسینؓ کے ہمراہ صرف 72 آدمی تھےاور یہاں تو خدا کےفضل سے علاوہ ہزار ہا جانباز سپاہیوں کے جوحضرت امام الزمّان کے ہمراہ تھے۔ملائکہ کی فوجیں بہر امداد موجود تھیں۔پس ایسے میدان میں ان یزیدیوں کی کیا دال گلتی؟ ہرروز بکواس بک بک کراپنا نامہءاعمال سیاہ کراتے اور شام کواپنا سامُنہ لےکرگھروں کو چلے جاتے تھے۔اور بجائےکسی برکت کےحصول کے چند ہزار لعنتیں ان کے حصے میں آجاتی تھیں۔

انہی دنوں میں جبکہ حضورؑ لاہور میں مقیم تھے۔یااس سے کچھ پیشتر ڈاکٹرعبدالحکیم پٹیالوی مُرتد نے حضورؑ کی وفات کےمتعلق ایک الہام شائع کیا تھا۔کہ 4 ساون تک مرزا فوت ہوجائے گا۔

حضورؑ تو خود ہی اپنی وفات کی خبریں وقتاً فوقتاً بذریعہ الہام شائع کررہے تھے۔شیطان نے موقعہ پا کر ڈاکٹرعبدالحکیم کے ذہن میں ایک آواز ڈالی۔اور **استراق السمع** کے ذریعہ مندرجہ بالا الہام ڈاکٹر مذکورکو سنایا۔اب یہ کیسا نازک وقت تھا۔ادھراللہ تعالیٰ دوسری طرف شیطان ڈاکٹر مذکورکو کہتا ہے کہ تم اشتہار دیدو کہ مرزا4 ساون تک فوت ہو جائیگا۔ چنانچہ ڈاکٹر مذکورہ نے ایسا ہی کیا۔لیکن خدا تعالیٰ نے چونکہ صادق اور کاذب میں فرق کر کے دکھلانا تھا۔اس لئے شیطان نے چندروز کے بعد ڈاکٹر مذکورکو کہا کہ اب تم پہلے الہام میں تھوڑی سی ترمیم کر کے اشتہار دو کہ مرزا4 ساون کوفوت ہوجائے گا۔چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔4 ساون ماہ جولائی 1908ء کی کوئی تاریخ تھی۔لیکن حضرت اقدس اپنے رحمانی الہام کے مطابق اور ڈاکٹر مذکور کی ناک کاٹنے کے لئے 26 مئی 1908ء کوفوت ہوگئے۔پس ڈاکٹر مرتد کواس کے اپنے ہی الہام نے جھوٹا ثابت کردیا۔ **فالحمد للّٰہ علٰی ذالک**

خاتمہ

میں شروع میں بیان کر چکا ہوں کہ چونکہ حضرت اقدّس مسیح موعود کو اپنی قریبی وفات کے متعلق بہت سے الہامات اور کشوف ہو چکے تھے۔ لہذا آپ قدرتاً ایسے وقت میں کسی سفر کے خواہشمند نہ ہو سکتے تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو یہ منظور تھا کہ آپ کی وفات ایک مجاہد فی سبیل اللہ کی وفات ہو اور آپ دشمنوں کے مقابلہ میں لڑتے لڑتے اسلام کی راہ میں شہید ہوں تا کہ نوبت کے ساتھ آپ کو شہادتِ کُبریٰ کا درجہ بھی حاصل ہو جائے اگر آپ ماہ اپریل 1908ء میں عازمِ لاہور نہ ہوتے تو اُن تجلّیاتِ الٰہیہ کا ظہور کیسے ہوتا۔ جو آپ کے قیام لاہور کے دوران میں ظہور پذیر ہوئیں۔ مسئلہ النبوّت فی الاسلام، ختم نبوّت، کفر و اسلام، غیر احمدی کا جنازہ اور ہندو مسلم اتحاد کے دوٹوک فیصلے کیونکر صادر ہوتے اور سب سے بڑھ کر یہ بات کیونکر معلوم ہوتی کہ لاہور شہر میں ایسے اوباش بھی ہیں۔ جو خدا کے فرستادوں کی نعشوں پر پتھر پھینک کر کسی وقت سارے شہر کی ہلاکت اور بربادی کا موجب ہو سکتے ہیں۔ (الحکم 28 مئی، 7 جون 1939)

والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فارسی الاصل تھے!

بہت سے لوگ جو حضرت مرزا صاحبؑ کے دعویٰ مسیحیت و مہدویت کو تسلیم نہیں کرتے یہ عذر پیش کرتے ہیں کہ چونکہ مرزا صاحبؑ مغل یا چنگیزی تھے اس لئے اُن کا دعویٰ ماموریت و امامت قابلِ قبول نہیں۔ نبوّت اور امامت کے لئے ابراہیمی ذرّیت سے ہونا اَز بس ضروری ہے۔ لیکن اِن کا انکار ایک طرف قرآن و حدیث سے ناواقفیت ظاہر کرتا ہے تو دوسری طرف حقائق تاریخ سے بھی اُنہیں بکلّی محروم ثابت کرتا ہے۔ ہم ذیل میں اوّل حضرت مرزا صاحبؑ کے خاندان کا شجرۂ نسب درج کرتے ہیں بعد میں دیکھیں گے کہ وہ کس قوم سے تعلق رکھتے ہیں۔ آیا فارسیوں سے یا مغلوں اور چنگیز خانیوں سے۔

حضرت مرزا صاحبؑ کے خاندان کا شجرۂ نسب (اجمالی)

قراچار

برکال

حاجی برلاس	طراغے
جس کی چھٹی پشت میں مرزا ہادی ہوا ہے اور یہ	تیمور
حضرت مرزا صاحبؑ کے خاندان کا مورثِ اعلیٰ شمار کیا جاتا ہے	تیمور جسکی پانچویں پشت میں بابر پیدا ہوا ہے

مرزا ہادی بابر کا ہم عصر تھا اور تعلق یگانگت کی بنا پر کسی قومی خصومت اور تفرقہ کی وجہ سے اپنے وطن کو چھوڑ کر بابر کے وقت میں پنجاب کے ضلع گورداسپور میں آ کر آباد ہوا اور قصبہ اسلام پور کی بنیاد رکھی۔ چونکہ وہ اِس علاقہ کا قاضی تھا لہٰذا اسلام پور کا نام اسلام پور قاضیاں ہوگیا جو بعد ازاں صرف قاضیاں یا قادیاں رہ گیا۔ مرزا ہادی کی بارہویں پُشت میں حضرت مرزا غلام احمد مسیح موعود پیدا ہوئے۔ تیموریوں اور برلاسوں میں جس قدر افراد ہوئے وہ سب کے سب مرزا صاحب کے لقب سے ملقّب رہے۔ یہ بات قابل نوٹ ہے۔

(قابلِ نوٹ آگے دیکھئے صفحہ 39)

ایک سوال اور اُس کا جواب

اب سوال کیا جائے گا کہ حضرت مرزا صاحب کے خاندان کا مورثِ اعلیٰ مرزا ہادی تو سمرقند سے ہجرت کر کے ہندوستان میں آیا تھا اور سمرقند تُوران یا ماوراء النہر میں ہے نہ کہ فارس میں (جو اُن دنوں وسیع ایرانی سلطنت کا ایک صوبہ تھا) پھر حضرت مرزا صاحب کے آباء اجداد فارسی کیونکر ہوئے؟ اور کیونکر وہ رجلٌ مِن ابناء الفارس کہلانے کے مستحق ہیں؟

اِس سوال کا جواب یہ ہے کہ حضرت مرزا صاحب کے آباء الاولین تُوران کے رہنے والے ہرگز نہ تھے۔ کیونکہ اگر وہ تورانی ہوتے اور چنگیز خان یا مغلوں کی کسی اور قوم سے نسبی تعلق رکھتے ہوتے تو اُن کا قومی اور خاندانی لقب مرزا قطعاً نہ ہوتا بلکہ اُن کا لقب خان ہوتا۔ لفظ مرزا کے معنی ہم اوپر لکھ چکے ہیں اور ثابت کر آئے ہیں کہ مرزا خالص فارسی لفظ ہے جو صوبۂ فارس میں بمعنی منشی یا امیر زادہ استعمال ہوتا تھا اور بجز فارسیوں کے اور کسی قوم نے اس کو اپنے نام کا جزو نہیں بنایا تھا۔ پس اس خاندان کے تمام افراد کا بعد بلا استثناء سات سو برس تک مرزا کہلانا اس بات کی زبردست اور قطعی دلیل ہے کہ یہ خاندان فارسی الاصل ہے نہ کہ مغل یا چنگیزی جیسا کہ عوام کا خیال ہے۔

دوسری دلیل ان کے مغل نہ ہونے کی یہ ہے کہ اس زمانے میں مغلوں کی شوکت، عظمت، جبروت، ہیبت، سطوت اور سیاست ایسی تھی کہ دنیا کی کسی اور قوم میں اس کی نظیر تلاش کرنا عبث ہے۔

علامہ رازی کے نزدیک مغلوں کی سیاست تمام قوموں اور تمام حکومتوں سے بڑھ کر تھی۔

چنانچہ علامہ فخر الدین رازی اپنی کتاب ’’تاریخ الدوّل‘‘ میں تمام بڑی بڑی سلطنتوں کا مقابلہ کرتے ہوئے یوں رقم طراز ہیں:۔

وَلم یَنقُل فی تاریخٍ ولا تضمّنت سیرةٌ مِن السیّر ان دولةَ مِن الدَّوَلِ رُزقتُ مِن طاعةِ جُندِها و رعایا ها ما رزقنَه' هذهِ الدّولةِ القاهرةَ المغو لیة۔ فاَمَّا الدولة الکسروِیة فَاِنّها علٰی عظمها وفخا متها لَمُ تَبلُغ ذالک........ وَ

اَمَّـا الـدُّولُ الا سـلامية فَـلا نِسْبَةَ لَهَـا اِلٰى هذٰ هِ الدّولةِ حتّٰى تُذْكَرُ مَعَهَا وَ اَمّا خـلافةُ بـنى اُميّةَ فَكَانَتْ قد عظمَتْ ونفخم أَمرها و عرضة مَمْلكَتِها وَلَكِنْ طَا عتُها لَمْ تَكُن كَطَاعةِ هٰؤلاءِ....

وَاَمّا الدّولة عَبّاسية فَلَمْ تَبْلُغْ طاعة النّاسِ لَهَا مَا بَلَغَتْ هذهِ الدولة مَعَ اَنّ مُـدّتَهـا طَالَتْ حتٰى تجاوزت خمس مائَة سنةٍ و مملكتها عرضَت حتّٰى انّ بَعْضهمَ جبىٰ معظم الدنيا....... ومع ذلِكِ فَلَمْ تكُن دَوْ لَتَهُمْ تخلُوا من ضُعْفِ وَ وَ هُـنٍ............... وَ اَمّـا الـدّوْلَتَـان البـو يهيةِ و السـلجـو قيّةِ فَلَم تَعـرض مَـمْـلِـكَتَهَـا مَـعَ قـوّةِ شـوكة مَـلُوْ كَهَا كَعَضَدَا الّدولة فِى بنى بويه فطغرل بيک فى بنى سلجوق وَ لَمْ تَعمّ طاعتها وَ لَمْ يشمل طاملكها وَاَمّا الـدولة الخوارزم شاهية مَعَ اَن جريدةُ السلُطَان جلال الدين اشتملت علىٰ اربـعة مائةِ الف مقاتل فلم يعرض ملكها ايضاً ولاتجاوزت النواحى القربة منها بلى جلال الدين غزا اطراف الهندِ۔

ترجمہ: کسی تاریخ میں یہ نقل نہیں کیا گیا کہ کسی سیرت کی کتاب میں درج نہیں ہے کہ اس دولت قاہرہ مغلیہ سے بڑھ کر کوئی اور سلطنت بھی گزری ہے جس کے لشکر اور رعایا نے اس دولت کی اس قدر فرماں برداری کی ہو جتنی اس سلطنت کو نصیب ہوئی ہے۔ سب سے اوّل کسریٰ کی حکومت کو لو۔ اُس کا حال یہ ہے کہ اپنی عظمت اور بڑائی کے دنوں میں بھی وہ اس سلطنت کی برابری نہیں کر سکی۔ دوسری سلطنت اسلامیہ ہے اُس کو تو اس سلطنت کے ساتھ کوئی نسبت ہی نہیں۔ یہاں تک کہ وہ اس قابل ہی نہیں کہ اس حکومت کے ساتھ اس کا ذکر کیا جائے۔۔۔۔۔ بنی امیہ کی خلافت کا یہ حال ہے کہ وہ بہت کچھ پھلی پھولی اور اس کی مملکت بہت وسیع ہوئی لیکن اس کی فرمانبرداری مغل حکومت کی فرمانبرداری کے برابر کبھی نہیں ہوئی۔۔۔۔ حکومت عباسیہ کا یہ حال ہے کہ لوگوں نے اس کی اطاعت اس حد تک نہیں کی جس حد تک اس حکومت کی اطاعت پہنچی ہے۔ باوجود کہ اُن کی مدتِ حکومت 500 سال سے بھی بڑھ گئی تھی اور اُن کی سلطنت اس قدر وسیع ہوگئی تھی کہ اُن میں سے بعض نے دُنیا کے بڑے حصے پر حکمرانی کی۔ مگر ان سب باتوں کے ہوتے ہوئے بھی ان کی حکومت ضعف اور کمزوری سے خالی نہ تھی۔۔۔۔۔۔ حکومت بویہ اور حکومت سلجوقیہ کا یہ حال تھا کہ اُن کی حکومت کو پھیلاؤ

نصیب نہیں ہوا حالانکہ کہ اُن میں بعض بادشاہ بڑی بڑی قوت اور شوکت والے ہوئے ہیں جیسے کہ عضد الدولہ بنی بویہ میں اور طغرل بیگ سلجوقیوں میں۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ اُن کی اطاعت اور فرمانبرداری عام رنگ میں نہیں کی گئی۔۔۔۔۔ اب رہی سلطنت خوارزم شاہی۔ اُس کا یہ حال ہے کہ اُس کے ملک کو بھی پھیلاؤ نصیب نہیں ہوا حالانکہ سلطان جلال الدین کے لشکر کی تعداد ۴ لاکھ جنگجو سپاہیوں پر مشتمل تھی اور وہ اپنے قریب کے علاقوں سے آگے بھی نہیں بڑھا۔

مخالف حالات کے ہوتے ہوئے بھی برلاس اور تیموریوں نے خان کا لقب اختیار نہ کیا

پس جس قوم کی ہیبت اور سیاست ایسی تھی کہ اُن کے زمانے میں کوئی گردن کش نظر نہ آتا تھا اور کسی کی مجال نہ تھی کہ ان کی اطاعت سے ایک ذرہ روگردانی اور انحراف کرے۔ جس قوم کا اقبال ایسا بلند تھا کہ یورپ اور ایشیا کے بڑے بڑے مغرور سلاطین اپنی بیٹیاں ان کے بادشاہوں کے ساتھ بیاہ دینا فخر سمجھتے تھے۔ جس قوم کی ایک شہزادی سے نکاح کرنے کی خاطر سلطان ناصر خلیفہ مصر نے 10 لاکھ طلائی دینار اور بہت سارے گھوڑے اور ساز و سامان خاقان کی نذر کئے (بحوالہ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا طبع 14)۔

جس قوم کی حکومت دریائے سندھ سے لے کر بحیرۂ کیسپین تک اور چین سے عراقِ عرب تک پھیلی ہوئی تھی اور جن کی حکومت اور رعب کا سکہ آفتاب کی طرح رواں تھا ایسی قوم کے ساتھ برلاسوں اور تیموریوں کو واسطہ پڑا۔ اُن کے ایک بزرگ قاچار نے چغتائی خاں پسر چنگیز خان کی حکومت میں وزارت کے عہدے تک ترقی پائی تو پھر چاہئے تو یہ تھا کہ ایسے خاندان کے افراد خان کے لقب پر جان دیتے۔ مگر آفرین ہے اس خاندان کی خودداری پر کہ انہوں نے ایک آن کے لئے اپنے آبائی اور وطنی لقب مرزا کو ترک نہ کیا۔ افغان قوم بنی اسرائیل میں سے تھی۔ جب چنگیز خان نے افغانستان کو فتح کیا اور افغانوں نے مغلوں کی حشمت و سطوت اور سیاست دیکھی تو انہوں نے بھی دوسری قوموں کی طرح خان ہی کو اپنا اعزازی لقب قرار دیا جو آج تک چلا آتا ہے لیکن برخلاف اس کے تیموریوں نے جہاں جہاں اُن کی حکومت رہی ہے اپنے منصب داروں اور کارکنوں کو خان کا خطاب عطا کیا۔ آجکل برٹش گورنمنٹ بھی اُن کی تقلید کر کے خان صاحب اور خان بہادر وغیرہ خطابات پارسیوں اور مسلمانوں کو عطا کرتی ہے اور بیسیوں شیخ، سید، راجپوت اور

پٹھان بڑے شوق سے ہر سال خان صاحب اور خان بہادر بنتے ہیں مگر خود اپنے تئیں مرزا کہلانا ہی پسند کیا۔ کبھی کسی تیموری یا برلاس نے اپنے تئیں خان کے لقب سے ملقب ہونا پسند نہیں کیا۔

پس یہ اس بات کا زبردست ثبوت ہے کہ برلاس اور تیموری خاندان کے جملہ افراد بلاشبہ فارسی الاصل ہیں اور اُن کو مغل کہنا گویا ان کی ہتک کرنا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ تیموریوں اور برلاسوں کے متعلق آج عام خیال یہی تھا کہ وہ مغل ہیں لیکن کسی نے یہ خیال نہ کیا کہ مغلوں نے اپنے وطن میں بلکہ ہندوستان سے باہر کسی ملک میں بھی مرزا کا لقب اپنے ناموں کے ساتھ استعمال نہیں کیا اور کرتے بھی کیوں کر۔ ایران تو ان کا ایک مفتوحہ ملک تھا اور تمام ایرانی ان کے محکوم اور دست نگر تھے۔ قاعدے کی بات یہ ہے کہ رعایا ہمیشہ اپنے حکام کی عادات اور اطوار کی نقل کرتی ہے۔ ایسا کبھی نہیں ہوتا کہ حاکم رعایا کے اطوار کی نقل کریں اور ان کے عادات اور اخلاق سیکھیں۔

مغلوں کے ساتھ اس قدر شدید تعلق رکھنے کے باعث برلاس اور تیموری مغل مشہور ہو گئے ورنہ دراصل وہ فارسی تھے۔

اس طرح اگر ایک فارسی خاندان بوجہ اُس قرب و اقتدار کے جو اُس کے اکثر افراد کو چنگیز خانی خاندان کے اندر حاصل تھا مغل مشہور ہو گیا تو کچھ بھی جائے تعجب نہیں۔ آجکل دیکھو اگر ایک شخص جو سید نہیں ہے اُس کی شادی سادات کے کسی گھرانے میں ہو جاتی ہے تو وہ اپنے تئیں سیّد کہلانا فخر سمجھتا ہے۔ ایسا ہی پنجاب میں ایک مشہور خاندان ہے جو دنیاوی وجاہت کے لحاظ سے بہت معزز ہے۔ اُس کے خاندان کے کئی افراد اعلیٰ عہدوں پر ممتاز ہیں۔ میں نے سنا ہے کہ جب وہ اوّل اوّل یہاں آ کر آباد ہوئے تو انہوں نے ایک نیچی قوم سے شادیاں شروع کر دیں۔ یہ دیکھ کر عوام الناس نے اُن کو کمین کہنا شروع کر دیا۔ پھر انہوں نے فوراً اپنی روش تبدیل کر لی اور اعلیٰ ذاتوں میں رشتہ داریاں کرنے لگے اور سیّد سمجھے جاتے ہیں۔

مندرجہ بالا ریمارکس کی روشنی میں کوئی شخص تیموریوں اور برلاسوں کو جنہوں نے قدیم الایّام سے لیکر آج تک مرزا کا لقب اپنے ناموں سے جدا نہیں ہونے دیا ایمانداری سے مغل نہیں کہے گا بلکہ صاف صاف تسلیم کر لے گا کہ فی الواقعہ وہ فارسی ہیں۔

ہندوستان میں مغل کیونکر مشہور ہوئے؟

اب ایک سوال باقی رہ جاتا ہے کہ ہندوستان میں عام مغل مرزا کیوں کہلاتے ہیں؟ کیا سب کے سب فارسی الاصل ہیں؟

اس کا پہلا جواب تو یہ ہے کہ سب کے سب مغل فارسی الاصل نہیں بلکہ خالص مغل یا تاتاری ہیں۔ یا ممکن ہے کہ بعض اُن میں سے ترک بھی ہوں مگر چونکہ سلاطین تیموریہ مرزا کہلاتے تھے اور عرف عام میں اُن کی قوم مغل مشہور تھی لہٰذا ہندوستانی مغلوں نے اُن کی دیکھا دیکھی فخریہ طور پر مرزا کہلانا شروع کر دیا حتیٰ کہ مرزا کہلانا فیشن ہو گیا اور ہر مغل خواہ وہ چنگیزی ہو یا چغتائی یا کوئی اور فخریہ طور پر مرزا کہلانے لگا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ تیموری بادشاہوں نے بعض خاندانوں کو خود مرزا کا خطاب عطا کیا چنانچہ مغلوں کے علاوہ اور قوموں کے بعض افراد نے بھی یہی خطاب پایا۔ مثال کے طور پر راجوری (کشمیر) کا خاندان پیش کیا جا سکتا ہے جن کو اس ادنیٰ تعلق کی وجہ سے کہ ان کے خاندان کی ایک لڑکی کا نکاح اورنگ زیب سے ہوا تھا مرزا کا خطاب عطا ہوا تھا اور آج تک اُس خاندان کے افراد مرزا کے لقب کو اپنی خاندانی وراثت سمجھتے ہیں۔ اسی طرح راجہ جے سنگھ آف جے پور کو تیموریوں کے ہاں سے مرزا کا خطاب ملا تھا اور آج تک تاریخوں میں اُسے میرزا راجہ لکھا جاتا ہے۔

پس جبکہ راجپوت اپنے تئیں مرزا کہلا سکتے تھے تو مغلوں کو مرزا کہلانا بہت آسان تھا کیونکہ تیموریوں کے ساتھ ان کی قوم کے دیرینہ تعلقات تھے نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوستان میں بے شمار مغل محض فیشن کے طور پر مرزا کہلانے لگے اور یہ سکہ اُن کا چل گیا ورنہ حقیقت کے لحاظ سے سوائے تیموریوں اور برلاسوں کے کوئی اور شخص مرزا کے لقب کا مستحق نہیں ہے۔ یہاں قرآن کریم کی آیت

وَتِلْکَ الأَیَّامُ نُدَاوِلُهَا بَیْنَ النَّاس (سورۃ آل عمران 141)

یک بیک نظر کے سامنے آ جاتی ہے۔ اور قوموں کی اونچ نیچ اور دنیا کی بے ثباتی کا نظارہ یکدم آنکھوں میں پھر جاتا ہے۔

ایک دن وہ تھا کہ دوسری قوموں اور خاندانوں کے مہذب افراد (جنہیں حکومت سے حصہ نہ تھا) اَن گھڑ مغلوں کی شان و شوکت دیکھ کر اپنے تئیں مغل کہلانا فخر سمجھتے تھے اور یا وہ زمانہ آیا کہ ہندوستان میں مغلیہ اقوام کے افراد نے بوجہ اس کے کہ حکومت میں اُن کا کچھ حصہ نہ تھا اپنے تئیں مرزا کہلانا فخر سمجھا اور لفظ

خان جو تیرھویں صدی مسیحی سے شروع کر کے 700 برس تک عہدِ ترکیہ ومغلیہ میں عزت کے خطاب کے طور پر گورنمنٹ کی طرف سے معزز لوگوں کو دیا جاتا رہا ہے بلکہ انگریزی گورنمنٹ نے بھی اسی کو قائم رکھا ہے ان کی نظر میں بمقابلہ مرزا کے حقیر نظر آنے لگا۔ یہی وجہ ہے کہ آج ہم تقریباً ہر مغل کے ساتھ مرزا کا لفظ دیکھتے ہیں مگر ہاں یہ بدذوقی بھی ملاحظہ ہو کہ مرزا کے سر کے ساتھ بیگ کا دُم چھلاّ بھی ساتھ لگا ہوتا ہے جو ایک تُرکی لفظ ہے۔

؎ بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبیست

اب رہا یہ امر کہ اگر یہ لوگ فارسی تھے تو وہ توران میں کیوں اور کس وقت آئے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ چنگیز خان کے حملوں کی وجہ سے جو تیرھویں صدی کے وسط میں اُس نے ممالک ایشیا اور یورپ پر پے در پے کئے اور ملکوں کی طرح فارس میں بھی ایک انقلابِ عظیم برپا ہوا۔ سینکڑوں قدیم خاندان تباہ ہو گئے اور بیسیوں خاندانوں نے اُجڑ کر دوسرے ممالک میں پناہ لی۔ چنانچہ اِس زلزلے میں جو مغلوں کے حملوں کی وجہ سے ایک عالم میں نمودار ہوا برلاسوں اور تیموریوں کا مورث اعلیٰ جس کا نام اہروم جی تھا۔۔۔۔۔ فارس سے ہجرت کر کے توران میں آ گیا یہاں پہنچ کر قسمت نے یاوری کی اور بفحوا ءِ

وَ مَنْ ھا جر فی سبیل اللّٰہ یَجدُ فیھا مُراغِماً کثیراً وسعةً

(جو شخص اللہ کی راہ میں ہجرت کرتا ہے اُسے زمین میں بہت وسیع جگہ اور کشائش ملتی ہے)

اہروم جی کے پوتے قراچار کو بوجہ لیاقت علمی وانتظامی وشرافتِ نسبی چغتائی خان پسر چنگیز خان کے دربار میں اعلیٰ منصب ملا اور پھر ترقی کرتے کرتے آخر وہ عہدہ وزارت پر فائز ہو گیا۔

اس طرح سے فارس سے آئے ہوئے ایک علمی خاندان کو مغلوں کے دربار میں سب سے بڑا عہدہ ملا جس کی وجہ صاف صاف یہ معلوم ہوتی ہے کہ مغل قوم کے افراد ہر چند بہادر اور جان باز تھے مگر علمی اور انتظامی قابلیت نہ رکھتے تھے پس وزارت کا قلمدان ایک فارسی مرزا ہی کو زیب دیتا تھا۔ اس کے ساتھ بھی ان دونوں خاندانوں میں اِنٹر میرج یعنی مناکحت کا سلسلہ شروع ہو گیا اور اس فارسی خاندان کے اکثر افراد کی شادیاں مغلوں ہی میں ہونے لگیں۔ اولاد کے نام بھی مغلوں ہی کی طرز کے رکھے گئے چنانچہ طراغا یا طراغے، تیمور، برلاس وغیرہ سب مغلئی نام ہیں۔ یہ رابطہ اتحاد یہاں تک مضبوط ہوا اور دونوں خاندان ایسے گُھل مل گئے کہ سطحی نظر ان میں تمیز کرنے سے قاصر ہے۔

من تو شدم تُو من شدی من تن شدم تو جان شُدی

کا معاملہ ہو گیا ہے۔خوش قسمتی سے مرزا کا لقب اِن ناموں کو جزو مستقل رہا اسی طرح صدیاں گزر گئیں۔اب ہمارے زمانے میں حضرت مسیح موعودؑ کو اللہ تعالیٰ نے الہام کے ذریعہ بتلا دیا ہے کہ تم فارسی الاصل ہو۔مغل یا چنگیزی نہیں ہو۔احمدی تو اس الہام پر ایمان لے آئے لیکن جو الہام کو سچا نہ جانتے ہوں ان کے منوانے کے لئے کیا تدبیر کی جاتی۔خاکسار کو مکرم ظہور اکملؓ صاحب نے ارشاد کیا کہ حضرت صاحبؑ کو تاریخ سے ابنِ فارس ثابت کرو۔چنانچہ اس ارشاد کی تکمیل میں یہ چند سطور معرضِ تحریر میں آ گئی ہیں۔

لفظِ مرزا۔خان و بیگ سے زیادہ خوبصورت اور محبوب ہے

معلوم ہوتا ہے کہ اس لفظ مرزا میں ایک خاص حُسن اور ایک خاص کشش تھی جو خان اور بیگ کہلانے والوں کے دلوں کو فریفتہ کئے دیتی تھی ورنہ خان اور بیگ کو مرزا سے کیا نسبت؟ سچ تو یہ ہے کہ ظاہری حکومت اور دنیاوی دولت ایسی بڑی نعمت ہے کہ جس قوم میں یہ آ جائے اُس کے ہزار عیب کو چھپا لیتی ہے اور بلاشبہ یہ ستارِ عیوب قاضی الحاجات ہے۔تیموریوں کی سطوت اور حشمت ایسی تھی کہ اسے دیکھ دیکھ کر دوسری اقوام سر دھنتی تھیں اور اُن کے نقش قدم پر چلنا اور ان کی وضع قطع، چال ڈھال اور ان کے ناموں اور خطابوں کو نقل کے طور پر اپنے اندر لے لینا فخر سمجھتی تھیں۔کون ہے جس نے تیموریوں کے طرزِ زندگی کی نقل کرنی نہیں چاہی تو پھر مغل بھلا اس سے کیونکر باہر رہتے؟

اہلِ فارس بنو اسحاق سے ہیں اور ذرّیت ابراہیم ہیں

اس مقام پر پہنچ کر شاید یہ سوال کیا جائے کہ تم نے مرزا صاحبؑ کو فارسی الاصل ثابت کرنے میں جو اس قدر زور مارا ہے اس سے فائدہ کیا ہوا؟ کیا اس سے حضرت مرزا صاحب ذرّیتِ ابراہیمؑ ثابت ہو گئے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ بلاشبہ فارسی قوم ذرّیت ابراہیمؑ سے ہے کیونکہ وہ بلکہ تمام آریہ قومیں بنو اسحاق ہیں یعنی عیسو بن ابراہیمؑ کی نسل ہیں۔

یہاں ہم چند احادیث نقل کر دیتے ہیں جن سے فارسیوں کا اور اعاجم کا بنو اسحاق ہونا اظہر من الشّمس ہو جائے گا اور اگر کوئی صاحب یہ چاہتے ہوں کہ انہیں عیسو بن اسحاق کی ذرّیت ثابت کیا جائے۔فیرجع اِلیٰ کتابی تحفۃ ہندو یورپ۔

1 حادیث: (ا) اهل فارس هم بنو اسحاق

(رواہ حاکم فی تاریخہ عن ابنِ عمر) (دیکھو کنز العمال جلد 6 صفحہ 215)

(2)فارس عصبتنا اھل البیت لَانّ اسماعیل عمّ ولد اسحاق و اسحاق عمّ ولد اسماعیل

(کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۲۶۴)

(3)ولد سام العرب وفارس والروم و البحیر وفیھم

(رواہ بن عساکر عن ابی ہریرۃ)

(4)مَن اَسۡلَمَ مِن فارس لَھُوَ مِن قریش ھم اِخوتنا و عصبتنا

(رواہ الدیلمی عن ابی عباس)

ترجمہ: جو لوگ فارسیوں میں سے مسلمان ہوں وہ قریش میں سے ہونگے کیونکہ وہ ہمارے بھائی اور ہمارے گوشت پوست ہیں۔

(5) سلمان مِنّااھل البیت

(رواہ الطبرانی والحاکم عن عمرو بن عوف کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۱۷۶)

ترجمہ: اے اہلِ بیت سلمان ہم میں سے ہے۔

(6)عن صالح بن ابی صالح مولیٰ عمرو بن حریث قال سمعتُ أبَا هريرة یقول ذکرت الا عا جم عند النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال النبی لا نا بھم او بعضھم اوثق مِنّی بکم اوبعضکم

(ترمذی باب الفضائل العجم صفحہ 328)

حضور کے سامنے بھی قوموں کا ذکر آیا تو آپ نے فرمایا کہ میرا ان کے ساتھ یا اُن میں سے بعض کے ساتھ تم میں سے بھی زیادہ پختہ تعلق ہے۔

اس آخری حدیث میں محض فارسیوں کا ذکر نہیں بلکہ عام اہل عجم کا ذکر ہے جن میں آریہ، ہندو اور بعض دوسری اقوام بھی شامل ہیں اور فارسیوں کا اہل عجم ہونا تو سب کو معلوم ہی ہے۔

بقیہ قابلِ نوٹ:

شجرہ نسب سے یہ بات ظاہر ہے کہ برلاس اور تیموری ایک ہی خاندان اور ایک ہی نسل سے ہیں اور گو

دونوں خاندان کے اکثر افراد نے مغلوں اور چنگیزوں کے ساتھ تعلقات مناکحت قائم کئے مگر اپنے قومی لقب مرزا کو بھی ہاتھ سے نہ دیا اور مرزا وہ امتیازی لقب ہے جو کسی مغل نے اپنے وطن تُوران بلکہ ایران اور خراسان میں بھی کبھی اختیار نہیں کیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مغلوں کا قومی لقب خان تھا اور خان ہی مغلوں کے سرداروں اور بادشاہوں کے نام کا طرّہ امتیاز تھا جیسے چنگیز خان، ہلاکو خان، قبلہ خان، الغ خان وغیرہ وغیرہ

مرزا خالص فارسی لفظ ہے اس کے دو معنی ہیں:

(ا) مرزا بمعنی منشی۔ عام خواندہ آدمیوں کے ساتھ اب بھی ایران میں مرزا کا لقب اُسی طرح استعمال ہوتا ہے جیسے ہمارے ہاں بابو یا منشی کلرکوں کے نام کے ساتھ لکھا پڑھا جاتا ہے۔

(ب) مرزا بمعنی شہزادہ یا امیر زادہ۔ اس کی دوسری شکل میرزا بھی ہے ان معنوں میں مرزا یا امیر زادہ شہزادوں اور رئیس زادوں کے ناموں کے ساتھ بولا جاتا ہے۔

ہم اوپر لکھ چکے ہیں کہ برلاس اور تیموری ہمیشہ اپنے ناموں کے ساتھ مرزا کا لقب استعمال کرتے اور اس کو اپنی قومی اور نسبی شرافت کا تحفہ گردانتے تھے اور یہی ان کا فارسی الاصل یا ایرانی ہونے کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ لیکن باوجود اس روشن اور ممتاز نشان کے آجکل کے بعض لوگ انہیں فارسی الاصل یقین کرنے میں تامل کرتے ہیں۔ مانا کہ ان کی شادیاں مغلوں کے ساتھ بعد اس کے کہ وہ نورِ اسلام سے منور ہو چکے تھے ہوتی رہیں۔ مانا کہ انہوں نے مغلوں کے ذریعہ دنیاوی فروغ حاصل کیا لیکن اگر یہ بات صحیح ہے کہ نسب ہمیشہ باپ کی طرف سے شمار ہوتا ہے تو برلاسوں اور تیموریوں کو مغل کہنے والا ایسا ہی غلطی پر ہوگا جبکہ حضرت امام حسینؓ یا حسنؓ کو ایرانی کہنے والا بایں دلیل کہ ان کی والدہ ایک ایرانی خاتون تھیں نہ کوئی سیّدزادی یا قریشی

نوٹ نمبر 2 بعض مورخین نے کہا ہے کہ امیر تیمور اور دوسرے برلاسوں کی اولاد مرزا یا میرزا اس لئے کہلائی کہ تیمور بادشاہ بننے سے پہلے کش کے علاقہ کا امیر تھا اُس کی اولاد امیر زادہ کہلانے لگی۔

پھر امیر زادہ مختصر ہو کر میرزادہ رہ گیا۔ ان مؤرخوں کا خیال ہے کہ قراچار اور اس کے اولاد بلکہ سب برلاس مغل قوم سے تعلق رکھتے تھے (دیکھو اذیلاقِ مغل ص 36) اور مرزا کا لقب امیر تیمور کی بدولت انہیں ملا۔ مگر یہ خیال غلط ہے۔ اگر یہی مان لیا جائے کہ مرزا یا میرزادہ امیرزادہ سے بگڑ کر بنا ہے تو یہ بات غور کے قابل ہے کہ امیر زادہ فارسی لفظ ہے اور فارسیوں ہی نے امیر زادہ کا لفظ اختراع کیا ہوگا۔ مغلوں کی زبان فارسی نہ تھی اس لئے انہیں نہ امیر سے کچھ سروکار تھا اور نہ امیر زادے سے۔ پس اصل بات یہی ہے کہ یہ لفظ

میرزا یا مرزا سب سے اوّل فارس میں ایجاد ہوا اور چونکہ قراچار کا خاندان فارس سے ہجرت کر کے ماوراءالنہر (تُو ران) میں آیا تھا اس لئے اپنی خاندانی وراثت یا یادگار یعنی مرزا کو اپنے ہمراہ لایا اور اُس کی اولاد نے ہمیشہ اپنے ہمراہ رکھا بلکہ دوسروں کو بھی اس تمغہ سے سرفراز کیا۔ اگر یہ لفظ مغلوں کی ایجاد ہوتی تو تمام تُرکستان اور منگولیا (مغولستان) بلکہ چین مین بھی یہ لفظ رواج عام پا تا مگر چونکہ ایسا نہیں ہوا اس لئے یہ بات درست ہے یہ پودا سب سے اوّل فارس میں پیدا ہوا۔ وہیں سرسبز ہوا۔ البتہ اس کا پیوند اوّل تُو ران اور پھر ہندوستان میں لگایا گیا جہاں اب تک یہ موجود ہے۔ واللہ اعلم

تتمہ مضمون

مضمون کے ابتداء میں مختصر شجرہ نسب دیا جا چکا ہے مگر 8 صفحے چھپ جانے کے بعد گوہر صاحب کی طرف سے یہ مکمل شجرہ وصول ہوا اسے بطور تتمہ مضمون لکھوا دیا گیا ہے۔ ایڈیٹر

مکمل شجرہ نسب قوم برلاس

اہرومجی برلاس

سوغچن

قراچار نوٹ نمبر 2

اِیچل

برکل المنگیر

حاجی برلاس

طراغے حاجی برلاس (جو حضرت مرزا صاحب کے خاندان کا مورثِ اعلیٰ ہے)

امیر تیمور گورگاں

جو تیموریوں کا مورث اعلیٰ ہے

اہروم جی کی سب اولاد برلاس کہلاتی تھی لیکن تیمور نے فخر یہ طور پر اپنا لقب گورگاں مقرر کیا کیونکہ وہ خضر خواجہ خان شاہ مغولستان کا داماد تھا اور مغلئی زبان میں گورگاں کے معنی داماد کے ہیں۔ مغل بادشاہ کا داماد ہونا اُس زمانے میں بہت بڑی بات تھی۔ بعد میں یہ لقب تیموریوں کا خاندانی لقب ہو گیا۔

نوٹ: اوپر دئے ہوئے شجرہ نسب سے برلاسوں اور تیموریوں کے مورثِ اعلیٰ کا نام اہروم جی ظاہر ہوتا ہے جو بلاشبہ ایک پارسی یا فارسی نام ہے۔ اس قسم کے نام اب بھی پارسیوں میں رکھے جاتے ہیں جیسے سہراب جی، بہرام جی، موزو جی، پس مورثِ اعلیٰ کا نام کہے دیتا ہے کہ یہ قوم فارسی الاصل ہے۔

نوٹ نمبر 2 قراچار:

قراچار نے چنگیزی حملے کے وقت فارس سے ہجرت کی اور توران میں آ کر آباد ہوا۔ وہ کثیر الاولاد تھا اور اپنی ذاتی قابلیت اور شرافت نسب کی وجہ سے تمام برلاسوں پر فائق تھا۔ چنگیز خان نے اُسے اپنا ابن عم کہا اور چغتائی خان کو وصیت کی کہ میرے بعد اسے میری جگہ سمجھنا۔ اوّل وہ چغتائی خان کا داماد اور وزیر تھا۔ چغتائی کے مرنے پر صاحبِ حکومت ہو گیا۔

یہ واقعہ 625ء کا ہے اُس وقت اُس کی عمر 80 سال تھی۔
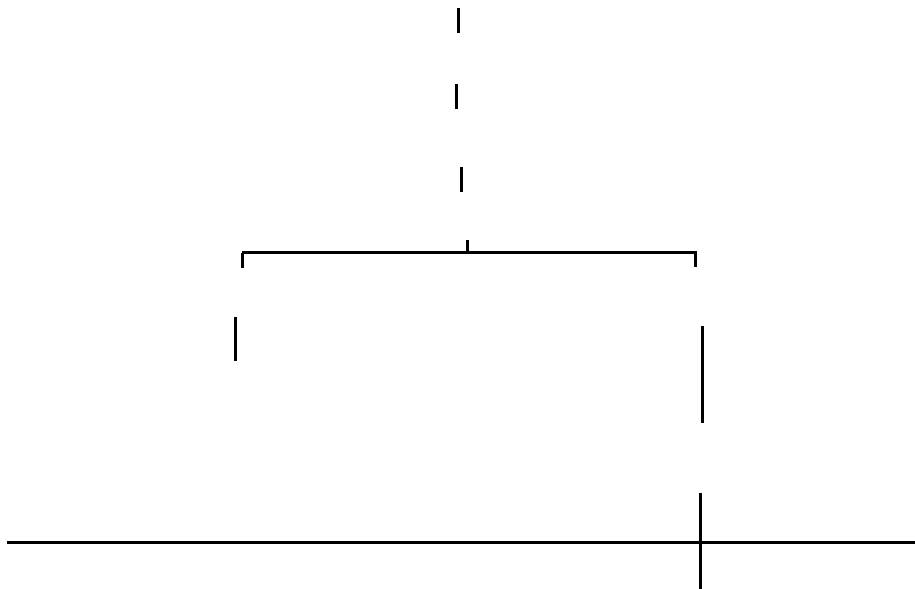
نورخلافت

دیباچہ:

اللہ کا کس قدر شکر اور احسان ہے کہ اس کی پاک کتاب کی آیات ہر زمانے اور ہر ملک اور ہر آب وہوا میں پوری ہوتی رہتی ہیں۔ خلافتِ محمودی نے روز روشن کی طرح دنیا پر ثابت کر دیا ہے کہ

(۱) خلیفہ بنانا خدا کا کام ہے۔

(۲) اسلام برحق ہے

(۳) حضرت مسیح موعودؑ ایک سچے اور ملہم ربانی تھے اور آپ کی پیشگوئی دربار خلافت محمود مشتہرہ اشتہار ۱۰ جولائی و یکم دسمبر ۱۸۸۸ اور ۱۴ مارچ ۱۹۱۴ کو پوری ہوئی۔ منکرین خلافت نے اپنے تئیں سلسلہ الٰہیہ سے الگ ہوکر دکھا دیا کہ حضرت مسیح موعودؑ کے مندرجہ ذیل الہامات کیسے سچ ثابت ہوئے تھے۔

(۱) شَرُّ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ (تذکرہ ۴۶۴)

(۲) کوئی اور درباری حلقہ اطاعت سے گذرنے نہ پائے۔ (۲۸ مارچ ۵۹۹ تذکرہ)

(۳) کوئی درباری اس جرم میں سزا سے محفوظ نہ رہے گا۔ (۲۸ مارچ ۵۹۹ تذکرہ)

(۴) مسلمانوں کے دو گروہوں میں سے خدا ایک کے ساتھ ہوگا یہ پھوٹ کا نتیجہ ہے۔ (تذکرہ ۶۰۴)

ذیل میں خاکسار قرآن کریم کی بعض آیات تمسک کر کے یہ ثابت کریگا (انشاءاللہ) کہ منکرین خلافت کا سلسلہ احمدیہ سے الگ ہو جانا کوئی انوکھی بات نہیں بلکہ عین سنت اللہ کے مطابق ہے اور ضروری تھا کہ ایسا ہوتا کہ مومنین کی جماعت منافقین کے گروہ سے الگ ہو کر دین و دنیا میں بغیر کسی خدشے کہ ترقی کر سکے۔ چونکہ پہلا موقع ہے کہ خاکسار کو اللہ نے دین حق کی تائید میں ایک رسالہ لکھنے اور شائع کرنے کی توفیق بخشی ہے۔ لھذا اخیر میں خاکسار پھر ایک بار اس ذات پاک ذوالجلال والاکرام کا شکر ادا کرتا ہے اور دعا کرتا ہے کہ اللہ اسکے ذریعہ سے بہت ساری روحوں کو نفع پہنچائے آمین۔

طلوع آفتاب:

اللہ تعالیٰ نے سورۃ القدر میں ہم کو بتلایا ہے کہ نبی کے ظہور کا زمانہ ایک رات کے مشابہ ہوتا ہے۔جیسا کہ وہ فرماتا ہے کہ اِنَّـا أَنـزَلْـنَاهُ فِيُ لَيُلَةِ الُقَدُر ہاں وہ رات نبی کے نور کی وجہ سے معمولی اندھیری رات نہیں ہوتی بلکہ ایک نورانی اور برکت والی ہوتی ہے کیونکہ اس رات میں زمین پر انتشار روحانیت اور ملائکہ کا نزول ہوتا ہے۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے؛ تَنَزَّلُ الُمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ فِيُهَا بِإِذُنِ رَبِّهِم مِّن كُلِّ أَمُرٍ اور اگر شروع شروع میں ظلمت کے فرزند جو چمگادڑوں اور چوہوں کی طرح اندھیرے میں رہنا پسند کرتے ہیں۔اس نور کو دیکھ کر گھبراتے ہیں اور اپنی شقاوت ازلی کے باعث نبی کی مخالفت کرتے ہیں۔لیکن چونکہ وہ نبی خدا کا فرستادہ ہوتا ہے اس لئے وہ اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے ہیں۔پھر رفتہ رفتہ بہت سی سعید روحیں حسب استعداد فطری اس نور سے جو نبی کے ساتھ زمین پر نازل ہوتا ہے حصہ لیتی ہیں اور بہت سے لوگ اس نبی کا ساتھ دیتے ہیں۔اور مختلف ذرائع سے اس کی مدد کرتے ہیں۔پڑھو الہام يَنْصُرُكَ رِجَالٌ نُوْحِیْ اِلَيْهِمْ مِن السَّمَاءِ (تذکرہ ۱۹۵،۲۹۵)

مگر جس طرح تم دیکھتے ہو کہ بارش کے پانی کے ساتھ کچھ نہ کچھ کوڑا کرکٹ یا مٹی وغیرہ مل جاتی ہے۔اسی طرح نبی کی پاک جماعت میں بھی کچھ تعداد ایسے آدمیوں کی شامل ہو جاتی ہے جو محض اصلاح نفس اور تربیت روح کے واسطے نبی کے سلسلہ میں داخل نہیں ہوتے بلکہ ان کی شمولیت سلسلہ کا سبب کچھ اور ہوتا ہے۔میری سمجھ میں ایسے آدمیوں کو ہم دو قسموں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

(۱) وہ بزدل لوگ جو تاب مقابلہ اور قوت فیصلہ نہ رکھنے کے باعث نہ تو مخالفت کر سکتے ہیں اور نہ صدق دل سے نبی کی جماعت میں شامل ہوتے ہیں۔ان کو منافقین کہتے ہیں۔ان کا ٹھکانا قرآن کریم نے جہنم بتلایا ہے۔إِنَّ الُمُنَافِقِيُنَ فِيُ الدَّرُكِ الأَسُفَلِ مِنَ النَّار ٤:١٤٦

(۲) وہ لوگ جو تھوڑا بہت اخلاص تو رکھتے ہیں لیکن فی الحقیقت دین کو دنیا پر مقدم نہیں کرتے بلکہ نبی کی جماعت میں داخل ہونے کو ایک پنتھ دو کاج کا مصداق اور اپنے دنیاوی کاروبار کے لئے جس کے واسطے وہ پہلے سے تیار ہو رہے ہوتے ہیں ترقی اور روز بازاری کا موجب جانتے ہیں۔وہ پورے اخلاص کے ساتھ محض خدا کا ہو کر کام نہیں کرتے ایسے اشخاص جب تک حالات ان کے موافق رہتے ہیں جم کر کام نہیں کرتے۔لیکن

سنت اللہ کے مطابق اگر بعض نا گوار واقعات پیش آ جائیں تو ان کی امیدوں اور توقعات کے خلاف ہوں تو ایسے اشخاص کو بہت بڑا رنج پہنچتا ہے۔ وہ صبر سے کام نہیں لیتے بلکہ اپنے کیئے پر پچھتاتے ہیں۔ اور سمجھتے ہیں کہ اوّل مسئلہ غلط کردیم لیکن اب پچھتاوے کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت۔ آخر نادانی سے اپنے تئیں الٰہی سلسلے سے الگ ہو جاتے ہیں اور اس طرح اپنے پاؤں پر کلہاڑی مار لیتے ہیں۔

یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ نبی کی وفات کا زمانہ رات کی مانند ہوتا ہے۔ اس اندھیرے میں لوگ جوق در جوق آ کر جماعت میں ملتے رہتے ہیں۔ ایسے میں ایک دوسرے کی پہچان بہت کم ہوتی ہے۔ لیکن نبی کی وفات کے بعد جیسا کہ آیت حتّیٰ مطلع الفجر سے ظاہر ہے۔ ایک تغیّر پیدا ہوتا ہے اور فجر کا وقت شروع ہوتا ہے۔ اس وقت اگر پورے طور سے نہیں تو کسی حد تک تو ضرور لوگوں کی شناخت ہو جاتی ہے۔ کہ کون ان میں گورا ہے اور کون ان میں کالا، کس کہ منہہ پر چیچک کے بدنما داغ لیکن پھر بھی اچھی طرح مطلع صاف نہیں ہوتا۔ جب تک کہ آفتاب عالم تاب اپنی نورانی کرنوں سے صفحہ دنیا پر نور گستر نہ ہو اور جب (حاشیہ ا) وہ نکل آتا ہے تو ہر ایک آدمی اپنی اصلی شان اور اصلی رنگ میں نظر آتا ہے۔

بہت سے کریہہ منظر اور بھونڈی صورت والے جو اپنے تئیں مہ جبینوں پری وشوں میں شمار کرنے لگ گئے تھے لیکن حقیقت میں اس اعزاز کے مستحق نہیں تھے۔ عام نظروں میں ذلیل ہو کر خود بھی اپنی حرکت نازیبا پر پشیمان ہونے لگ جاتے ہیں۔ یہ ڈھٹائی سے حلقہ عشّاق میں آنا جانا چھوڑ کر دوسری جگہ اڈا جماتے ہیں۔ مگر ان غریبوں کو وہیں بھی کوئی پوچھنے والا نہیں ہوتا۔ ازیں سو رانده، ازاں سو در مانده۔

ملاتے ہو اسی کو خاک میں جو دل سے ملتا ہے
مری جان چاہنے والا بڑی مشکل سے ملتا ہے

حاشیہ: طلوع فجر سے لیکر طلوع آفتاب تک کا زمانہ خلافت اوّل کا مبارک دور ہوتا ہے اور طلوع آفتاب کے ساتھ خلافت دویم کا فضلوں کے نور سے بھرا ہوا دور شروع ہوتا ہے جیسا کہ سورہ فرقان کی آیت ذیل سے استنباط ہوتا ہے۔ أَلَمْ تَرَ إِلَى رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ وَلَوْ شَاءَ لَجَعَلَهُ سَاكِناً ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَيْهِ دَلِيلاً ۔ ثُمَّ قَبَضْنَاهُ إِلَيْنَا قَبْضاً يَسِيراً (سورۃ فرقان) یعنی اے مخاطب کیا تو نہیں دیکھتا کہ تیرے رب نے صبح کے وقت کو کیسا لمبا کر دیا ہے۔ اگر وہ چاہتا تو اس کو ساکن کر دیتا۔ (یعنی ہمیشہ کے لئے یہی سماں رہتا۔) اور اس کے ساکن نہ ہونے کی دلیل ہم نے آفتاب کو ٹھیرایا۔ (کیونکہ آفتاب کا نکلنا ضروری ہے) آخر آہستہ آہستہ ہم اس کو اپنی طرف سمیٹتے ہیں۔ (یعنی آخر کار آفتاب نکل آتا ہے) اس آیت میں ظل صبح کا وقت اس سے مراد خلافت اوّل ہے اور شمس بمعنی آفتاب سے مراد دور خلافت دوم ہے۔

برعکس اس کے بہت سے حسین اور رشک قمر جن کا اصلی روپ رات کے وقت ظاہر نہیں ہوا تھا اور اب تک کسمپرسی کی حالت میں پڑے رہے تھے نکھر کر سامنے آنے لگتے ہیں تو چاروں طرف سے احباب تازہ جوش اور مسرت کے ساتھ ان کا خیر مقدم کرتے ہیں اور ہر کہ ومہ کی زبان پر یہ شعر جاری ہوتا ہے

گر بر سر و چشم من نشینی   نازت بکشم کہ نازنینی

میرے احمدی بھائیو؛ مسیح موعودؑ کا دور کبھی کا ختم ہو چکا ہے۔ خلافت اوّل یا صدیقی زمانہ بھی چھ سال کی مدت غیر متوقع کے بعد اختتام کو پہنچ گیا ہے۔ یعنی رات ختم ہونے کے بعد صبح کا دلکشا سماں بھی گذر گیا۔ اب آفتاب عالم تاب نکل آیا ہے شب کی تاریکی کے پردے میں یا صبح صادق کی دھیمی روشنی میں کوئی اپنے آپ کو چھپالے تو چھپالے مگر جب آفتاب نکل آیا ہو تو کوئی اپنا برا یا بھلا چہرہ دوسروں سے چھپا نہیں سکتا۔ خلافت محمودی کے دور میں منافق اور چالباز فروغ نہیں پا سکتے۔ کیونکہ آفتاب کو چراغ دکھانا ایسا ہی ہے جیسے کسی کو اپنے ابرو پر وسمہ لگانا۔

سورۃ النور و آیت استخلاف:

منکرین خلافت کی بیباکی؛ منکرین خلافت بار بار کہتے ہیں کہ آیت استخلاف میں ایسے خلیفوں کا کہیں ذکر نہیں۔ جو خلیفۃ اللہ علی الارض کے مصداق ہیں۔ بلکہ وہاں عام مسلمانوں کو سلطنت دئے جانے کا وعدہ ہے۔ اور بس۔ اور اس خلافت کے حصہ دار ہر قسم کے مسلمان ہوئے ہیں۔ اور یہ کہ یزید بھی ایسا ہی خلیفہ تھا۔ جیسا کہ حضرت ابوبکرؓ یا حضرت عمرؓ۔ چونکہ یہ آیات اللہ کی تکذیب اور مسیح موعودؑ اور خلیفہ اوّل کے پاک اقوال اور تحریرات کی تردید ہے جن کا سننا کوئی غیور احمدی برداشت نہیں کر سکتا لہذا خاکسار یہ چند اوراق اپنے احمدی بھائیوں کی خدمت میں خصوصاً اور عام مسلمانوں کی خدمت میں عموماً پیش کرتا ہے تا کہ ناظرین پڑھ کر اندازہ لگائیں کہ حضرت مولوی نور الدینؓ و حضرت مرزا محمود احمد کی خلافت کے انکار سے ہمارے قابل رحم بھائیوں کی حالت کیسی ناگفتہ بہ ہو رہی ہے۔

اے آنکہ سوئے من بدویدی بصد تبر   از باغبان بترس کہ من شاخ مثمرم

امید ہے کہ منشی ظہیر الدین اروپی اس رسالہ کو پڑھ کر حسب وعدہ مندرجہ ومشتہرہ پیغام صلح مؤرخہ ۷ اپریل ۱۹۱۴ خاکسار کے نام بہت جلد ارسال کریں گے۔ اور اپنے دوسرے بچھڑے ہوئے بھائیوں سے بھی

امید رکھتے ہیں کہ وہ ٹھنڈے دل سے پڑھ کر اپنی غلطی کا اقرار کریں گے۔ پھر یوسف قادیانی کی خدمت میں حاضر ہوکر اور لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ کے پاک ارشاد کو سن کر پھر ایک بار اپنے قدیمی بھائیوں اور آشناؤں میں آملیں گے۔

سورۃ النّور کی عظمت اور وقعت:

واضح ہو کہ سورہ نور قرآن مجید کی ایک ایسی ضروری اور مبارک سورۃ ہے کہ خود اللہ تعالیٰ نے اس کی نسبت مندرجہ ذیل الفاظ سورۃ کے ابتدا ہی میں فرما دیئے ہیں جیسا کہ وہ فرماتا ہے۔سُورَةٌ أَنزَلْنَاهَا وَفَرَضْنَاهَا وَأَنزَلْنَا فِيهَا آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ لَّعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ(سورۃ النّور ۱) .یعنی یہ سورۃ ہم نے نازل فرمائی ہی اور اس سورۃ پر عمل کرنا ہم نے مسلمانوں پر فرض کر دیا ہے۔اور اس میں ایسے روشن احکام اور آیات بیان کئے ہیں کہ جن کا یاد رکھنا مسلمانوں کے لئے بہت ضروری ہے۔

وجہ تسمیہ:

دوسری قابل ذکر بات یہ ہے کہ اس کا نام سورۃ نور رکھا ہے۔جو اللہ کا اپنا نام ہے اور قرآن مجید اور حضرت محمد ﷺ کو بھی نور رکھا گیا ہے۔ان تمام باتوں سے ایک مومن فوراً پہچان لیتا ہے کہ اس میں کوئی راز ہے جس کی وجہ سے مندرجہ سورۃ ہٰذا کی پابندی ہر مسلمان پر لازم اور فرض قرار دی گئی ہے۔

سورۃ ہٰذا کے تمدّنی اور معاشرتی احکام:

لیکن اگر سرسری نظر سے دیکھا جائے تو اس سورۃ میں آیات نور اور آیت استخلاف کو الگ کر کے بجز اس کے کہ تمدن اور معاشرت کے متعلق چند ضروری احکام درج ہیں۔مثلاً تہمت سے بچو۔مرد اور عورتیں غضِ بصر سے کام لیں۔کسی کے گھر جانے سے پیشتر اجازت لے کر جاؤ۔گھر میں داخل ہو کر سلام کرو۔بیوہ عورتیں نکاح کر لیں۔غلام اگر مکاتبت چاہیں تو ان کو اجازت دے دو۔لونڈیوں کو زنا کرنے پر مجبور نہ کرو۔مومن مرد زانی یا مشرکہ عورت سے اور مومن عورت زانی مشرک مرد سے نکاح نہ کریں۔تین وقتوں یعنی قبل از فجر، دوپہر اور بعد از عشاء میں کوئی شخص یہاں تک کہ نوکر چاکر بھی بے اجازت گھر نہ آویں۔

سورۃ کا مغز:

پس اس سے ظاہر ہوا کہ آیات نور مندرجہ رکوع نمبر ۵ اور آیت استخلاف مندرجہ رکوع نمبر ۶ ہی اس سورۃ کا لب لباب اور عطر ہیں اور یہی سچی بات ہے کہ آیات نور کی طرف توجہ دلانا اللہ تعالیٰ کو مقصود ہے اور باقی احکام تمدّن اور معاشرت کے بیان کرنے کی بھی یہی غرض ہے۔ تاکہ مسلمان ان پر کاربند ہو کر اللہ تعالیٰ کے نور سے حصہ وافر حاصل کریں۔ کیونکہ گو ایک سطحی خیال کا آدمی ان احکام کو معمولی سمجھے لیکن دقیق نظر رکھنے والے حکماے جانتے ہیں کہ تزکیّہ نفس اور تکمیل تربیّت روحانی کے واسطے احکام مندرجہ سورۃ ہٰذا پر عمل کرنا اور ان کو فرض کے طور پر (نہ نفل کے طور پر) اپنے اُوپر واجب العمل قرار دینا ہی ایک راہ ہے۔ جس سے مومن مظفر و منصور ہو سکتے ہیں۔ کسی مسلمان کے گھر نور داخل ہی نہیں ہو سکتا جب تک ان قواعد پر فرض کے طور پر عمل نہ کیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ بار بار اس سورۃ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر یہ آیات بیّنات تم پر نہ اتاری جاتیں تو اے مسلمانو خدا جانے تمہارا کیسا برا حال ہوتا۔ (حاشیہ) اے مومنو تم سب اللہ کی طرف توبہ کر لو

حاشیہ: اس جگہ یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ اس سورۃ کے نزول کی وجہ حضرت عائشہؓ کا معاملہ افک ہے چونکہ بعض منافقین نے آپؓ پر تہمت لگائی تھی اور بعض خام طبع مسلمان بھی شک میں پڑ گئے تھے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی اس تہمت کو دور کیا۔ اور آپ کی عصمت کی گواہی دی۔ مگر ساتھ یہ بھی فرمایا لاتحبوہ شرلکم بل ھو خیرٌ لکم. اس میں نکتہ یہ ہے اگر یہ افک کا معاملہ پیش نہ آتا تو اول تو سورۃ ہی نہ نازل ہوتی۔ آیات نور اور آیت استخلاف جو اس سورۃ کا مغز ہیں جن مومنوں کے لئے ترقیات روحانی اور جسمانی کا وعدہ ہے بھی نازل نہ ہوتیں۔ گویا یہ ابتلاًا حضرت ابوبکرؓ اور ان کے متعلقین اور خود حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش آیا۔ اس کی تہہ میں ایک انعام تھا۔ اللہ نے صاف صاف بتا دیا کہ شریر لوگ تو ان معزز خاندانوں پر دھبہ لگانے کی کوشش کرتے ہیں۔ حالانکہ ان کے گھروں میں اللہ کا نور ہے اور اللہ نے حکم دے دیا ہے کہ ان کے گھر اونچے کئے جائیں گے۔ ان کے گھروں میں نور کی اس قدر بارش ہوگی کہ ان کو زمین پر خلیفہ بنا دیا جاویگا۔ اور یہ اس بات کا ثبوت ہوگا کہ وہ مومن تھے اور ان کے اعمال صالح تھے۔ تبھی وہ وعدہ کے مطابق خلیفہ بنائے گئے۔ چنانچہ اسی وعدہ کے مطابق حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضر عثمانؓ اور حضرت علیؓ سب صحابہؓ کے سر پر تاج یعنی امام اور پیر بنائے گئے اور ایسا ہی باقی صحابہؓ نے بھی اس خلافت کے نور سے حسب درجات حصّہ پایا۔ اسی طرح حضرت صاحبزادہ میاں محمود احمد صاحبؓ کی خلافت کے منکر غور کریں کہ اللہ تعالیٰ رِجَالٌ لَّا تُلۡهِيۡهِمۡ تِجَارَةٌ وَلَا بَيۡعٌ عَن ذِكۡرِ اللَّهِ (۲٤:۳۸) کے ماتحت حضرت صاحبزادہ صاحب موصوف کو ترقی دی اور ان کے گھر کو نور سے بھر دیا اور وہ خلافت حقّہ کے وارث قرار پائے۔

شب تاریک دوستان خدا ے تابند چو روز رخشندہ
ایں سعادت بزور بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

تا کہ تم مظفر و منصور ہو جاؤ۔ اوران آیات کے بار بار دہرانے سے یہ تاکید منظور ہے کہ اگر احکام مندرجہ سورۃ ہذا پر تم مسلمان کاربند نہیں ہو گے تو تمہارے گھروں میں نورالٰہی نہیں آئے گا۔ یعنی تم اعلیٰ مراتب روحانی حاصل نہیں کر سکو گے اور نیک و بد میں تمیز بھی جاتی رہے گی۔ کیونکہ نور اس چیز کا نام ہے جس سے برے بھلے کی تمیز ہو سکتی ہے۔ اگر عقلی طور پر ہم یہ ثابت کرنے لگیں کہ ان تمام احکام کی خلاف ورزی سے کیا کیا خرابیاں پیدا ہوتی ہیں تو اس کے لئے ایک دفتر چاہیئے۔ لہذا مختصر طور پر اتنا ہی بیان کر دینا کافی معلوم ہوتا ہے کہ جن گھروں میں اخلاقی خرابیوں اور قسم قسم کے گندوں کا گھر بنے ہوئے ہیں۔ اوّل اوّل بدظنیاں پیدا ہوتی ہیں۔ اور بد ظنیوں سے ترقی کرتے کرتے لوگ ایک دوسرے کو طعن و تشنیع کرنے لگتے ہیں اور ہر قسم کے عیب اور برائیاں ایک دوسرے کی طرف منسوب کی جاتی ہیں۔ تجسس کی عادت پیدا ہو جاتی ہے۔ پردے کے متعلق اور نیز دوسرے تمام احکام کے متعلق یہ بات اصول کے طور پر یاد رکھنی چاہیئے۔ کہ ہر ایک ظاہری حکم کے نیچے ایک باطنی حکم بھی ہے۔ مثلاً غضّ بصر اور پردہ کے متعلق جو حکم ظاہری ہے۔ باطنی طور پر اس کو یوں سمجھ سکتے ہیں کہ جب ہم ظاہر میں کسی کے حالات جسمانی میں دخل نہیں دے سکتے۔ تو کسی کے دلوں کے حالات جاننے کی کوشش کرنا بھی ایک گناہ ہے اور جس طرح کسی کے گھر بلا اجازت جانا منع ہے اسی طرح بلا اجازت کسی دوسرے بھائی کے پرائیویٹ حالات میں تجسس کرنا بھی سخت ممنوع ہے۔ چونکہ خلفاء کے کریکٹر میں شریر لوگ طرح طرح کے رخنے نکالتے ہیں۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے ادب کے لئے ضروری آداب اس سورۃ شریف میں سکھلائے ہیں۔ تا کہ لوگ خلفاءً کی نافرمانی کر کے ہلاکت سے بچیں۔ اور چونکہ اس سورۃ شریف کا لب لباب آیت استخلاف ہے لہذا تمام اس قسم کے احکام اسی سورۃ میں بیان فرمائے گئے ہیں۔ فَتَدَبَّر ۔ اب دیکھو کہ سورۃ کے رکوع نمبر ۵ سے ایک بات شروع ہوتی ہے اور چھٹے رکوع کے اخیر تک وہی بات مسلسل چلی جاتی ہے۔ ان دو رکوعوں میں جو آیات بیّنات بیان ہوئی ہیں۔ ان کا لُب لباب اردو میں حسب ذیل ہے۔

بقیہ حاشیہ صفحہ نمبر ۴۸: خدا کے کارخانے عجیب ہیں۔ جس طرح حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ پر تہمتیں لگائی جاتی ہیں یہاں تک کہ ان کی اولاد کی عصمت پر دھبہ لگانے کی کوشش کی گئی تھی اسی طرح یہاں بھی شریر الطبع لوگوں نے مسیح موعودؑ کی اولاد پر اور آپ کے اہل بیت پر بہتان لگائے۔ لیکن اللہ نے آپ کے خاندان کے ایک رکن کو سلسلہ حقّہ محمدیہ واحمدیہ کا ایک ممبر بنا دیا اور اپنے اس فعل سے اس کی تطہیر کر دی۔ جیسا کی اس نے سات سال پہلے اپنی نبی کی زبان وحی ترجمان کے ذریعے خبر دی تھی۔ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيراً (۳۳:۳٤)۔ اور پھر حضرت ام المومنین کی نسبت اس زمانے میں فرمایا رُدُّ اِلَیْھَا رَوْحھا (تذکرہ ۴۶۴)

فسردگی ہوئی کافور بیت احمد سے ۔۔۔ جلا کے شمع ہدیٰ روزنی کو بھیج دیا

آیات نور کا خلاصہ اور معانی:

(۱) اللہ ہی زمین وآسمان کے تمام نوروں کا مبدأ ہے۔ اور اللہ کے نور کے آگے تمام نور ہیچ ہیں۔
(۲) اللہ تعالیٰ اپنے نور کی طرف جس کو چاہتا ہے، ہدایت کرتا ہے۔ ہر شخص اس نور کو حاصل کرنے کا اہل نہیں۔
(۳) اللہ کا نور ایسے گھروں میں (یا باصطلاح تصوّف ایسے دلوں میں) پایا جاتا ہے جن کے متعلق اللہ نے حکم دیا ہے کہ وہ گھر یا وہ دل اونچے کئے جائیں گے۔ اور وہاں اللہ کے نام کی تسبیح کی جائے۔ دن رات اسی کا ذکر ہو اور اس دن رات کی تسبیح اور ذکر کا نتیجہ یہ ہو کہ اگر تسبیح کرنے والے تجارت جیسے پُر ابتلا پیشے میں بھی مشغول ہوں۔ تب بھی ذکر اللہ اور یاد الٰہی میں کچھ فرق نہ آوے (حاشیہ) اس آیت سے ثابت ہے کہ نور کا ملنا اذن الٰہی پر منحصر ہے۔ اور نور کی ترقی کا اعلیٰ معراج یہ ہے کہ ایسے مومن سخت سے سخت ابتلاؤں میں پڑ کر بھی ثابت قدم رہتے ہیں۔ اور اقامت نماز اور ادائے زکوٰۃ سے دم بھر غافل نہیں ہوتے۔ عذاب الٰہی سے ہر وقت ڈرتے رہتے ہیں۔ یا دوسرے الفاظ میں یَعۡبُدُوۡنَنِیۡ لَا یُشۡرِکُوۡنَ بِیۡ شَیۡئًا کے ماتحت آتے ہیں۔

حاشیہ: مجھے یہ یاد ہے کہ ایک دفعہ بتقریب تعطیلات موسمی 1911ء میں جبکہ کمترین حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ سے بمعیت شیخ تیمور صاحب ایم اے اور چوہدری فتح محمد سیّالؓ ایم اے قرآن پڑھا کرتے تھا۔ تو اس آیت یعنی رجالٌ لا تلھیھم تجارۃٌ ولا بیعٌ عن ذکر اللہ کی تشریح کرتے وقت حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ نے فرمایا کہ اللہ نے جس کو خلیفہ بنانا ہوتا ہے اس سے ضرور بضرور قبل خلیفہ بننے کی تجارت کروالیتا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ حضور حضرت صاحبؑ یعنی آپؓ حضرت مسیح موعودؑ کے حق میں کیا آپ کیا فرماتے ہیں، آپؓ نے جواب دیا کہ وہ معاملہ ہی الگ ہے اور یہ کہہ کر آپ خاموش ہو گئے۔ آپ کا مطلب یہ تھا کہ حضرت مرزا صاحب سلسلہ انبیاؑ سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہاں انبیاؑ کا ذکر نہیں ہے۔ بلکہ انبیاؑ کے خلیفوں کا ذکر ہے۔ اب کون نہیں جانتا کہ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت مولوی نورالدینؓ اور میاں محمود احمد صاحب نے قبل اس کے کہ اللہ نے ان کو خلافت کے لئے چن لے۔ اپنی زندگی کے ایک نہ ایک حصے میں ضرور بضرور تجارت کی ہے۔ اور باوجود تجارت کرنے کے کبھی ذکر اللہ اور اس کی تسبیح سے غافل نہیں ہوئے۔ اور یہ بھی معلوم ہے کہ ان اصحاب کے گھر پہلے اونچے نہ تھے۔ پھر جب ان کے گھروں میں اللہ کا نور آیا تو ان گھروں کو خدا نے اونچا کر دیا۔ یعنی ان کی شان ارفع ہو گئی۔ ان کا نام عزت کے ساتھ صفحہ دنیا پر قائم رہے گا۔

(۴) ایسے لوگوں کو نہ صرف اعمال کا بدلہ احسن دیا جائے گا بلکہ مزید برآں اللہ ان پر اپنا فضل نازل کرے گا۔ یعنی ان کو منصب خلافت عطا کرے گا۔ ان کو رزق بے حساب دیا جائے گا۔ یاد رہے کہ اسلام میں سب سے اعلیٰ درجہ کوئی مومن ترقی کر کے پا سکتا ہے وہ خلافت ہے اور یہ انسانی ترقی کے معراج کا آخری زینہ ہے)

(۵) جو شخص اس نور کی عظمت کا کفر کرے گا یعنی نور خلافت سے منکر ہو کر خلفاً کی اطاعت نہیں کرے گا اس کے اعمال ضائع ہو جائیں گے۔ اس کا انجام ہلاکت ہے والذین کفروا سے یہاں مراد خلفاً کے منکر ہیں

(۶) جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کے حکم کو مان کر توڑ دیتے ہیں، وہ مومن نہیں۔ اور جب کبھی خدا اور رسولؐ کے مطابق کسی متنازعہ امر کا فیصلہ کیا جاتا ہے تو وہ اس فیصلے کی روگردانی کرتے ہیں۔ پس وہ ظالم ہیں۔ یعنی اگر خلافت کے قیام کے وقت اگر جھگڑا ہو تو خدا اور رسولؐ کے مطابق فیصلہ کر لو۔ اور سابقہ عہد بیعت کو یاد رکھو، ورنہ بصورت دیگر تم ظالم بمعنی فاسق ٹھیرو گے۔

(۷) ان آیات کو بیان کرنے کے بعد اب اللہ تعالیٰ بیان مذکورہ بالا کو ایک نہایت ہی بلیغ عبارت میں خلاصہ کے طور پر صرف ایک ہی آیت میں دھراتا ہے اور فرماتا ہے۔

آیت استخلاف کے معنی

وَعَدَ اللَّهُ الَّذِيْنَ آمَنُوا مِنكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُم فِيْ الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِن قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِىْ ارْتَضَى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُم مِّن بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْناً يَعْبُدُونَنِىْ لَا يُشْرِكُونَ بِىْ شَيْئاً وَمَن كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ فَأُوْلَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ (سورہ نور) ۲۴:۵۶

(ترجمہ تفسیری) اے نبی کے ہاتھ پر ایمان لانے والو تم میں سے جو ایمان لائے ہیں اور ایمان لانے کے بعد انہوں نے نیک عمل کئے ہیں اور اللہ کے نور سے بہرہ ور ہوئے ہیں ان سے (عام مسلمانوں سے نہیں) اللہ کا وعدہ ہے کہ ضرور بضرور ان کو روئے زمین میں مسند خلافت پر متمکن کرے گا۔ جیسا کہ اس نے پہلوں (حاشیہ) کو کیا تھا

حاشیہ: حاشیہ؛ یہاں بعض صاحبان کے دلوں میں یہ وسوسہ پیدا ہوا ہے کہ یستخلفنھم میں چونکہ ھم جمع کا صیغہ ہے لہذا واحد خلیفہ

اور جو دین حق وہ ان کے لئے پسند کرے گا۔اس کو تمکنت بخشے گا۔یعنی دین حق وہی ہوگا جس پر ایسے خلفاً قائم ہونگے۔اگرچہ ان کی مخالفت ہوگی۔لیکن خوف کے بعد ضرور امن کی صورت پیدا کر دیگا۔ہر گز ہر گز سوائے خدا کے کسی کی نافرمانی نہ کریں گے۔پس اس قدر آیات بیّنات کے بیان کر دئے جانے کے بعد بھی جو شخص ان کے نور خلافت کا انکار کریں گے (یعنی خلفاً کی اطاعت نہ کریں گے) وہ فاسق ہونگے۔(فاسقوں کے سر سینگ نہیں ہوتے)

بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۱:

مراد نہیں ہوسکتا۔اس کا جواب یہ ہے کہ اس وسوسہ کے روکنے لئے اللہ نے **یستخلفنّھم فی الارض** کے ساتھ ہی کَمَا اسۡتَخۡلَفَ الَّذِیۡنَ مِن قَبۡلِھِمۡ فرما دیا ہے۔یعنی امت محمدیہ میں بھی خدا اسی طرح خلیفے بنائے گا۔جس طرح امت موسوی میں اس نے بنائے تھے۔

الف) امت موسوی میں ایک وقت میں ایک ہی خلیفہ ہوتا تھا۔ایسا کبھی نہیں ہوا کہ ایک وقت میں ہی دو خلیفے ایک ہی منصب پر فائز ہوئے ہوں۔

ب) یہ بھی ظاہر ہے کہ امت موسوی میں تمام خلیفے بادشاہ نہ تھے۔بلکہ دو طرح کے خلیفے تھے۔(۱) روحانی اور جسمانی (۲) محض روحانی۔تاریخ اسلام سے ثابت ہے کہ اسلام میں بھی جس قدر خلیفے گذرے ایسے ہی تھے۔یعنی جسمانی و روحانی اور محض روحانی۔اب رہا یہ اعتراض کہ جمع کا صیغہ کیوں استعمال کیوں ہوا ہے۔اللہ جانتا تھا کہ مجموعی تعداد خلفاً کی ایک سے زیادہ ہوگی۔جیسا کہ موسوی سلسلہ کا حال ہے۔لہذا جمع کا صیغہ استعمال ہوا۔ایک اور بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ موسویہ اور سلسلہ محمدیہ میں ایسے دنیاوی بادشاہ بھی گزرے ہیں جو ظالم ہونے کی وجہ سے خلیفۃ اللہ نہیں کہلا سکتے۔اور وہ اس آیت کے مصداق نہیں۔اور پھر یہ اعتراض ایک اور طرح سے بھی دور ہوسکتا ہے اور وہ یہ کہ ہم مان لیتے ہیں **یستخلفنھم** کے لفظ سے ایک وقت میں بہت سے خلیفوں کا وجود نکل سکتا ہے۔لیکن وہاں بھی کَمَا اسۡتَخۡلَفَ الَّذِیۡنَ مِن قَبۡلِھِمۡ موجود ہے۔قوم بنی اسرائیل کی تاریخ پر نظر ڈالنے سے ثابت ہوتا ہے کہ اس قوم میں ہمیشہ انبیاً اور خلفاً ایک ہی نظام کے تحت آتے رہے۔اور وہ یہ تھا کہ ایک سب سے اعلیٰ فرد تمام قوم کا خلیفہ یا مطاع ہوتا تھا۔اور باقی افراد اگر ان کے واسطے یہ لفظ جائز ہو اس کے ماتحت ہوتے تھے۔گویا کہ ہر ایک نبی کے بعد ایک صلحاً کی قوم ہوتی ہے۔جو ایک نظام کے ماتحت ہوتی تھی۔اایک شخص ان کا مطاع یا خلیفہ ہوتا تھا۔اس طرح امت محمد میں سمجھ لو مگر اس سے یہ ہر گز ثابت نہیں کر سکو گے کہ تمام خلفاً ایک ہی حیثیت رکھتے تھے۔اگر سب کو خلیفہ بنانے کا ہی شوق ہو تب بھی وہاں ایک مظام ماننا پڑے گا۔جس کا اعلیٰ رکن ایک فرد واحد سب کا مطاع ہوتا تھا اور باقی اس کے مطیع۔

کون سی ترکیب ہے جس سے کوئی مسلمان فاسق ہونے سے بچ جائے:

پھر اس کے ساتھ ہی فاسق ہونے کی وعید سے بچنے کے لئے اللہ پھر تاکید کرتا ہے۔ وہ فرماتا ہے وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ٥٧:٥٧ یعنی تم لوگ دعائیں بہت کرو، زکوٰۃ اور صدقات دو اور نبی کریم کی اطاعت کرو۔ (یا خلیفہ وقت کی اطاعت کرو) تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔ اور جو لوگ ایسا نہیں کریں گے اور مخالفت پر جمے رہیں گے وہ یاد رکھیں کہ وہ زمین پر رہ کر خدا کو ہرا نہ سکیں گے۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ وہ جہنم رسید کئے جائیں گیا ور جہنم بہت برا ٹھکانہ ہے۔

مَنْ كَفَرَ کا فاعل کون ہے:

یہ کہنا کہ من کفر کا فاعل وہی ہے جو امنوا و عملوا الصالحت کا فاعل ہے۔ ایسا لغو قول ہے کہ اس سے بڑھ کر کوئی لغو بات سمجھ نہیں آتی۔ جب کہ اللہ ہی خلیفہ بناتا ہو اور بناتا بھی ان کو ہو جو مومن اور نیک کردار لوگ ہوں اور ان کو اپنا پسندیدہ دین سکھائے پھر خود ہی ان کی نسبت یہ فرمائے کہ يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئاً ٢٤:٥٦ تو پھر کس طرح ممکن ہے کہ وہ کفران نعمت کریں۔ یا نعوذ باللہ فاسق بن جائیں۔ اگر کوئی ایسے خلیفۃ اللہ کا نام بتا دے جس نے خلیفۃ اللہ بن کر شرک کیا تھا۔ یا وہ فاسق بن گیا تھا تو میں ایسے شخص کو پچاس روپے دوں گا۔ اگر خدا کے بنائے ہوئے خلفاً بھی کافر اور فاسق ہو سکتے ہیں تو پھر دین حقّہ کے وارث کون ہونگے۔ پھر کیا اس صورت میں آدم سے لیکر تمام انبیاً اور مامورین کا اعتبار ساقط نہیں ہو جاتا۔ انبیاً چونکہ خلفاً بھی کہلاتے ہیں کس طرح معصوم کا لقب پا سکتے ہیں حالانکہ اسلام میں یہ مسلّمہ عقیدہ ہے کہ تمام انبیاً اور مامورین معصوم ہوتے ہیں اور خدا کے ہاتھ میں مشین کی مانند چلتے ہیں۔

منکم میں مخاطب کون ہے:

میاں منشی ظہیرالدین اور دوسرے منکرین خلافت یہ وسوسہ پیش کرتے ہیں کہ اس آیت میں منکم سے مراد کفّار اور مشرکین ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کفّار کو مخاطب کر کے فرماتا ہے کہ تم میں سے جو لوگ ایمان لائے ہیں اور انہوں نے عمل کئے ہیں ان کے ساتھ اللہ وعدہ فرماتا ہے کہ ان کو زمین پر سلطنت دی جائے گی اور اب

جو یہاں شرک ہورہا ہے وہ دور ہو کر میری ہی عبادت ہوگی اور جو لوگ بھی اس نعمت کے دئے جانے کے بعد بھی ناشکری کریں گے وہی فاسق ہوں گے۔ان بیچاروں کو اتنی سمجھ نہیں کہ یہ ساری سورۃ مسلمانوں اور خاص مسلمانوں ہی کے واسطے ہے اور جس قدر اس میں احکام بیان ہوئے ہیں ان میں مسلمانوں کو ہی مخاطب کیا گیا ہے۔ کفّار اور مشرکین وغیرہ کا اس سورۃ میں کہیں ذکر نہیں ہے۔ اور اگر بالفرض منکم سے مخاطب کفّار ہی مراد لئے جائیں اور خلافت سے مراد سلطنت لی جائے تب بھی یہ وعدہ مومنوں کے ساتھ نہیں بلکہ صرف ان کے ساتھ جنہوں نے مسلمان ہو کر نیک اعمال کئے۔ پس یزید جیسے پلید گندے اور بدکردار لوگ خلیفۃ اللہ کا لقب نہیں پاسکتے اور نہ خلافت سے مراد سلطنت ہو سکتی ہے۔ (دیکھو شہادۃ القرآن) بلکہ ان کا خلیفہ ہونا ایسا ہی ہے جیسے غیر مسلم باشاہوں کا بادشاہ ہونا۔لیکن اصل بات یہ ہے کہ جہاں اس سوۃ میں الَّذِيْنَ كَفَرُوْا کا ذکر آیا ہے وہاں خلفاً کے کافر مراد ہیں اور اس سے منکرین خلافت کو کوئی فائدہ نہیں ہوسکتا بلکہ اس سے تو ہمارا مسلّمہ عقیدہ ثابت ہوتا ہے کہ خلفاً کے منکر کافر ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوا أَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ بِقِيْعَةٍ يَحْسَبُهُ الظَّمْآنُ مَاء ٢٤:٤٠ ۔پس مَنْ كَفَرَ میں اسی قسم کا کفر ہے۔

سابقہ سورۃ سے سورۃ ہٰذا کا تعلق:

پھر ایک اور بات بھی قابل غور ہے کہ اس سے ماقبل کی سورۃ یعنی سورۃ المومنون میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی فلاح اور کامیابی کے قواعد بیان کے ہیں۔ جیسا کہ شروع کی آیات سے ظاہر ہے اور پھر ان کو طرح طرح کے نظائر سے دلوں میں مستحکم کر دینے کے بعد اس سورۃ میں تسلسل کے طور پر قواعد مذکورہ بالا کی تشریح میں احکام مزید بیان فرمائے اور ان کو آیات بیّنہ سے نامزد کیا۔اس سے ثابت ہے کہ سورۃ المومنون میں بھی جس کا اس سورۃ شریف کے ساتھ تعلق اور ربط ہے کہیں کفّار مخاطب نہیں۔تو یہاں کفّار کیسے مخاطب ہو گئے۔حالانکہ اس سورۃ کے ابتدا میں ہی یہ فرما دیا گیا ہے کہ یہ سورۃ مسلمانوں کے عمل اور یاد رکھنے کے لئے نازل کی گئی ہے۔

کیا آیت استخلاف کا حضرت مسیح موعودؑ کو الہام ہونا ضروری تھا:

منکرین خلافت ایک اور گل کھلاتے ہیں۔ جب کچھ پیش نہیں جاتی تو یہ اعتراض پیش کر دیتے ہیں کہ چونکہ آیت استخلاف حضرت مسیح موعودؑ کو الہام نہیں ہوئی لہذا حضرت مسیح موعودؑ کے بعد کسی مومن کو باوجود اس بات کہ وہ اُمت محمدؐیہ میں شامل ہے اور حضرت محمدﷺ کو اپنا اوّل ہادی اور امام مانتا ہے تا قیامت خلافت کا وعدہ نہیں دیا گیا۔ گویا غیر احمدیوں کے خلیفہ بنائے جانے کا وعدہ تو قیامت تک ہے لیکن غریب احمدی کچھ ایسے (نعوذ باللہ) بدنصیب ہیں۔ کہ ہزار اعمال صالحہ بجالائیں لیکن ان کو خلافت محمدؐیہ سے حصہ اب تا قیامت تک نہیں مل سکتا۔ شاباش، میرے بہادرو۔ شاباش حضرت مسیح موعودؑ یہی انعام دینے آئے تھے۔ خدا کے لئے کچھ تو شرم کرو دیکھو تم کدھر سے کدھر جا رہے ہو۔ پھر میں کہتا ہوں کہ اس آیت استخلاف کا الہام نہ ہونا اس امر کی دلیل ہو سکتی ہے کہ احمدی مسلمانوں میں سے کوئی شخص تا قیامت خلیفہ نہیں ہو سکتا۔ اس طرح سے تو سارا قرآن ہی منسوخ ماننا پڑے گا۔ کیونکہ کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ چونکہ فلاں فلاں حضرت مسیح موعودؑ کو الہام نہیں ہوئی لہذا وہ قابل درآمد نہیں۔ میرے بھائیو، قابل رحم بھائیو کہ کیا تم کو آج تک یہ بھی معلوم نہ ہو سکا کہ ایک یا چند آیات کے الہام ہونے کا کیا مطلب ہے ہاں جہاں کوئی خاص آیت الہام ہوئی ہے۔ وہاں اسکی طرف خاص طور سے توجہ دلانا مقصود تھا ورنہ اس کے الہام کئے جانے کی ہرگز کوئی ضرورت نہیں تھی۔ پس اگر تم کو یہ جملہ سمجھ نہیں آیا تو دوبارہ جماعت احمدیہ میں داخل ہو۔

میرے دوستو خلافت احمدیہ خلافت محمدؐیہ سے الگ نہیں۔ جو شخص حضرت مسیح موعودؑ کے بعد خلیفہ ہے وہ حضرت محمدﷺ ہی کا خلیفہ ہے۔ اس لئے ضرورت ہی کیا تھی کہ حضرت مسیح موعودؑ کو از سر نو یہ آیت الہام ہوتی اگر حضرت مسیح موعودؑ کا سلسلہ کسی صاحب شریعت نبی کا سلسلہ ہوتا۔ یعنی حضرت محمدﷺ سے الگ کوئی سلسلہ ہوتا تب تو تمہارا کہنا واجب تھا۔ لیکن جب سلسلہ احمدیہ اور سلسلہ محمدؐیہ دو الگ الگ سلسلے نہیں تو پھر یہ اعتراض کیسی حماقت سے پُر تم خود غور کر کے دیکھو اور نتیجہ نکالو۔

منکرین خلافت کی مذبوحی حرکات:

اخیر میں ایک اور اعتراض کا جواب دینا چاہتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ حضرت صاحبؑ مسیح تھے اور چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد خلافت ثابت نہیں لہٰذا یہاں بھی خلافت نہیں ہونی چاہئے۔ اس کا جواب یہ

ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ بلاشبہ مسیح موعود تھے لیکن اس سے بڑھ کر آپ احمد تھے یا یوں کہو کہ مثیل محمدؐ تھے یعنی مسیح کے ساتھ جس قدر امور میں آپ کو مماثلت تھی اس سے زیادہ باتوں میں آپ کو نبی کریم ﷺ کے ساتھ آپکو مشابہت تھی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو الہامات کثیر میں احمد کے نام سے پکارا ہے اور آپ احمد کے نام سے ہی بیعت لیا کرتے تھے۔ اور قرآن کریم کی اس آیت **مبشرا رسول یاتی من بعدی اسمہ احمد** میں بھی آپ کو احمد کے نام سے پکارا گیا ہے۔ مسیح تو صرف وصفی نام ہے اور احمد کے علاوہ باقی نام جن کے ساتھ آپ کو پکارا گیا ہے وہ استعارے کے رنگ میں ہے۔

پس جب ثابت ہو گیا کہ حضرت صاحبؑ احمد ہیں تو ضروری ہوا کہ آپ کے بعد سلسلہ خلافت کا قدیم ہو جیسا نبی کریم ﷺ کے بعد ہوا تھا۔ دوسری قابل غور بات یہ ہے کہ حضرت صاحبؑ فرماتے ہیں کہ امت محمدؐ یہ کا ہر فرد مسیح ہو سکتا ہے لیکن احمد صرف ایک ہی ہے جو چودھویں صدی کے سر پر نبی بن کے دنیا میں آیا۔ پس جو شخص یہ کہتا ہے کہ حضرت صاحبؑ کے بعد سلسلہ خلافت نہیں ہونا چاہیئے وہ نہ صرف حضرت مسیح موعودؑ کی ہتک کرتا ہے بلکہ نبی کریم ﷺ کی بھی ہتک کرتا ہے بلکہ سچ پوچھو تو نبی کریم ﷺ کے بعد کے تمام خلفاءً کا منکر ہے۔

تنزل کے اسباب:

مذکورہ بالا اعتراضات اور اُن کے جوابات کو پڑھکر ناظرین کو معلوم ہو جائے گا کہ ہمارے قابل رحم بھائیوں کی حالت کیسی ناگفتہ ہو رہی ہے جس کا علاج اب اور کچھ نہیں کہ اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کریں شاید پھر صراط مستقیم آ جائیں ورنہ امید کم ہے۔

میرے قابل قدر بھائیو میں آپ کو بتاؤں کہ آپ کو ان مصائب کا سامنا کیوں ہے۔

خشت اوّل چوں نہد معمار کج   تا ثریا می رود دیوار کج

سب سے اوّل تم نے حضرت صاحبؑ کے نبی ہونے میں شک لانا شروع کیا۔ اس سے مسئلہ کفر و اسلام شروع ہوا ورنہ اس سوال کی ضرورت ہی کیا تھی۔ ایک جاہل مسلمان بھی جانتا ہے کہ نبی کا منکر کافر ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے تم نے یہاں تک معکوس ترقی کی ہے کہ تم کہنے لگے کہ حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ۔۔۔ خلفاءً راشدین ایسے ہی بادشاہ تھے جیسا کہ یزید، علاؤالدین خلجی، محمد تغلق، جہانگیر وغیرہ اسلامی بادشاہ گذرے ہیں اور اس کے ساتھ آیت استخلاف کا یہ مطلب بیان کیا کہ خلافت سے مراد سلطنت ہے۔ خلیفۃ اللہ ہو کر بھی کوئی

شخص کافر نعمت یا فاسق بن سکتا ہے اور پھر حضرت خلیفہ المسیح الاوّل نور الدین بھیروی ؓ کو بھی ڈھٹائی کے ساتھ مہدی کہنے لگے ہیں۔ اور دوسری طرف نعوذ باللہ ان کو معطّل اور خلیفۃ اللہ علی الارض ہونے کا جھوٹا مدعی بھی قرار دیا۔ مزید برآں لطف یہ ہے کہ چھ سال تک تم ان کے پنجہ میں گرفتار رہے اور آزاد ہونے کی آرزو بھی نہ کی حالانکہ وہ متواتر چھ سال کہتے رہے کہ میں خلیفۃ اللہ ہوں۔ جیسا کہ حضرت داؤدؑ۔ حضرت آدمؑ یا حضرت ابوبکرؓ یا حضرت عمرؓ، لیکن تم نے لیڈر بن کر بھی کبھی ان کی خدمت میں یہ عرض نہ کیا کہ حضور آپ اس قدر جوش و خروش کیوں دکھاتے ہیں۔ آپ محض ایک عالم ہیں اس لئے ہم نے آپ کی بیعت کر لی ہے۔ اس کے علاوہ آپ کچھ بھی نہیں۔ لیکن تم نے تو ایسے چپ سادھ لی کہ ایک منٹ کے لئے بھی ٹس سے مس نہ ہوئے۔

کم بولنا ادا لیکن ہے نہ اس قدر کم مُند جائے چشم عاشق تو بھی نہ لب کو کھولے

اس نفاق کا نتیجہ:

یہ ہے کہ تم نے اپنا تمام متاع جو تم کو حضرت مسیح موعودؑ کی غلامی کے طفیل ملا تھا یا ملنے والا تھا، برباد کر دیا اور اب تمہارے پاس سوائے اس خشک عقیدے کے اور کچھ نہیں کہ حضرت صاحبؑ ایک مصلح تھے۔ احمدی اور ایک غیر احمدی میں تھوڑا سا فرق ہے۔ جو چند روز کے بعد زمانے کے تعصب کے گھٹنے پر خود بخود دور ہو جائے گا۔ نہ قادیان کی اب ضرورت اور نہ واحد خلیفے کی مرکز میں حاجت۔ احمدی چونکہ پہلے ہی سند یافتہ ہیں ان کے واسطے تو خلیفہ ہو یا نہ ہو برابر ہے لاہور میں بڑی گدّی قائم کی جاوے۔ جب کوئی اکاّ دُکاّ غیر احمدی بننا چاہتے ہیں تو اس کا سر مونڈ کر گورو گورکھ ناتھ کے چیلوں میں شامل کر لیا جاوے۔ تبلیغ اسلام کا دور دکھانا ہو تو یورپ کے وسیع میدان خالی پڑے ہیں۔ وہاں جاؤ۔ احمدی اور غیر احمدی مل کر عیسائیوں کو لَآ اِلٰہَ اِلاَّ اللہ کا ورد سنا کر اسلام میں داخل کریں۔ اور بس۔ احمدیت کی ضرورت نہیں۔ اس کے واسطے ابھی بہت سا زمانہ باقی ہے سو ڈیڑھ سو سال کے بعد حضرت مسیح موعودؑ کے نشان اور پیشگوئیاں قصے کہانیاں بن جائیں گی تو یورپ کے لوگوں کو یہ مزیدار کہانیاں سنا سنا کر پھر ان کو حسب ضرورت احمدی بنا لیا جاوے گا۔

کاش کآنکہ عیب تو گفتند روئت ای دلستان بدیدندے
احمد مصطفات خواندندے منکر شان تو نہ گشتندے

☆☆☆

ربّ کعبہ کی قسم یہ وید الہامی نہیں!

نعمت اللہ گوہر بی۔اے ریٹائرڈ ہیڈ ماسٹر ریسرچ سکالر نے اَندرونی شہادت سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ ہندوؤں کے نام نہاد وَیدوں کی الہام کے ساتھ دُور کی نسبت بھی نہیں۔

ویدوں میں کیا ہے؟

تمہید

وید کے مضامین کو بآسانی سمجھنے کے لئے چند ابتدائی اُمور اور وَید کی مختصر تاریخ کا بیان کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔اور اُمید کرتا ہوں کہ اس سے کئی غلط فہمیاں جو وید کے بارہ میں پیدا ہو چکی ہیں۔دُور ہو جائیں گی۔سو واضح ہو کہ موجودہ وَید قطعاً کوئی الہامی کتاب نہیں۔جیسا کہ مہرشی یاسک اور شَونک اچاریہ جیسے ویدک دَھرمی رشیوں اور بزرگوں نے خود تسلیم کیا ہے۔اصل وید جسے مہاتما پتن جلی اور یاسک وغیرہ پراچین زمانہ کے رشیوں نے الہامی تسلیم کیا ہے۔وہ ہزاروں برس سے مفقود ہے۔

موجودہ وید

موجودہ وید مشرکانہ اَشعار کا ایک مجموعہ ہے۔جو سینکڑوں برسوں میں تیار ہوا اور اِس کے اندر سینکڑوں شعرا کا کلام ہے۔جن کو رشی کے نام سے پکارا جاتا ہے اکثر اشعار میں اجرام فلکی اور پتروں کو دیوتا سمجھ کر ان کے آگے منت وزاری کی گئی ہے۔ان سے رزق، گائیں۔اولاد اور سو برس کی زندگی مانگی جاتی ہے۔بڑے بڑے دیوتا یہ ہیں۔اَگنی۔اِندر۔وایو۔مروت۔درن۔اُشس۔سُوما۔

رگوؔید جو سب سے بڑا وید ہے۔اس میں اسی قسم کے منتر یعنی اشعار جا بجا پائے جاتے ہیں۔یجؔر وید میں گائے، بیل اور قسم قسم کے جانوروں کی قربانیاں دینے پر زور دیا گیا ہے۔اور قربانی کے پیچ در پیچ قواعد بتائے گئے ہیں۔اس میں بعض عبارتیں نثر میں بھی ہیں۔جو معلوم ہوتا ہے کہ بعد میں ملائی گئی ہیں۔شادی

کے موقعہ پر پڑھنے کے منتر بھی اس میں درج ہیں۔

سآم وید ایسے منتروں کا مجموعہ ہے۔ جو یگیہ (قربانی) کے وقت گانے کے کام آتے ہیں۔ لیکن اکثر منتر اس کے رگوید سے ہی لئے گئے ہیں۔

اتھر وید میں وہ منتر ہیں۔ جن کی نسبت آریوں کا خیال تھا کہ ان سے ہر قسم کی بلا اور مصیبت کا دفعیہ ہوتا ہے۔ تفصیل نظم میں ملاحظہ فرمایئے گا۔

ان ویدوں میں خدا کا ذکر نہیں

موجودہ ویدوں میں توحید اور رسالت کا کچھ ذکر نہیں۔ وَحی اور الہام سے وہ قطعاً بے خبر ہیں ہاں ملائکہ کو دیوتا قرار دے کر ان کی پوجا کی گئی ہے۔ اور تمام قسم کے دیوتاؤں کی دِل کھول کر تعریفیں کی گئی ہے۔ اور بہت سے قصے بھی ان میں مندرج ہیں۔

ویدوں کا زمانہ تصنیف

ویدک دور مسیح سے چند صدیاں قبل شروع ہوا۔ اور چار پانچ صدیوں تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ اس پر تمام مؤرخوں کا اتفاق ہے۔ اس وقت آریہ لوگ تمدّن سے واقف نہ تھے۔ فلسفہ نے ابھی اس قوم کے گھروں میں قدم نہ رکھا تھا۔ کوئی نبی...... بھی تا حال مبعوث نہ ہوا تھا۔ ایسے ابتدائی زمانہ میں وہ اس سے زیادہ کر بھی کیا سکتے تھے۔ وہ مجبور اور قابل رحم تھے۔ ہند میں آنے سے قبل وہ تین سو سال تک بابل اور متانی کی سرزمین میں رہے تھے۔ جہاں متّرا، اندؔر، درنؔ، تسیتہ (برج جوزا) وغیرہ کی پرستش ہوتی تھی۔ (انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجنز اینڈ ایتھکس مضمون متھرا ازم (*Mithraism*) اس مشرکانہ مذہب کو ہمراہ لئے ہوئے آریہ لوگ واردِ ہندوستان ہوئے۔ پس عناصر پرستی اور دیوتا پرستی وغیرہ مشرکانہ عقائد ان کے موروثی عقائد تھے۔ انہی عقائد کا اظہار اِنہوں نے اپنے اشعار میں کیا۔ رگوید میں سو سے زیادہ شعرا کا کلام درج ہے۔ یجر وید کے مصنفوں کی تعداد دو سو تک پہنچتی ہے۔ باقی ویدوں کا قیاس خود کر لیجئے۔

ایک سے تین اور تین سے 1131 وید

وید بیاس نے غالباً نوویں صدی مسیح قبل از یہ اشعار یا منتر قوم میں متفرق طور پر موجود تھے اس کو تین

حصوں میں تقسیم کر دیا گیا۔چھٹی صدی قبل از مسیح تک تین ہی وید رہے اور تین ہی شاخیں (شاکھائیں) تھیں۔ بعد میں تھوڑے تھوڑے اختلاف کے ساتھ تین سے 1131 وید بن گئے۔جن کی تفصیل یہ ہے۔

☆ رگوید کی 21 شاخیں

☆ یجر وید کی 101 شاخیں

☆ سام وید کی 1000 شاخیں

☆ اتھر وید کی 9 شاخیں

اس بیان سے یہ جھگڑا بھی صاف ہو گیا کہ ویدوں کی تعداد کتنی ہے۔قریباً اڑھائی سو برس تک یہی تین وید رہے۔سری کرشن مہاراج کے زمانہ سے قریباً تین سو سال بعد چوتھا وید یعنی اتھر وید معرض وجود میں آ گیا۔ چنانچہ اِس کی زبان بھی پہلے تین ویدوں سے قدرے متفاوت ہے۔انہیں ایّام میں گوتم بدھ کی بعثت ہوئی جس نے کرشنؑ جی کی موحدانہ تعلیم کے سونے پر سہاگہ کا کام کیا۔نیز ......انہی ایام میں ہندوستان کے تعلقات عرب اور ایران وغیرہ ممالک سے زیادہ مستحکم ہو گئے۔ ہر سال قافلے پر قافلہ مکّہ جاتا اور حج کی برکات سے متمتع ہوتا۔اس طرح مکّہ از سرِ نو ہندوؤں کا آخری تیرتھ بن گیا۔پرانوں میں اس کا نام مکیشر ہے۔یعنی مکہ کا سَر۔مراد چاہ زمزم سے ہے۔یہ میل جول اس حد تک بڑھا کہ عربوں کی بہت سی مذہبی اور تمدنی رسوم ہندوؤں نے اختیار کر لیں۔عرب کا عمامہ ہندوؤں کی پگڑی،عرب کا عُقّال،ہندوؤں کا پگڑی پر باندھنے کا ڈھاٹا۔عرب کا تہ بند ہندوؤں کی دھوتی،ہاتھی دانت کی چوڑیاں پہننے کا رواج عرب سے ہند میں آیا۔اَحرام کی چادریں اور سادھوؤں کا لباس،خانہ کعبہ کا طواف اور سر منڈانا،مندروں میں یاترا اور طواف،دختر کشی کی رسم،ہندو لڑکیوں کو رخصتانہ کے وقت کھجور مٹھائی دینا۔600ق۔م میں راجہ دیرسینؔ مکّہ گیا۔تا کہ وہاں کی برکات حاصل کر کے ملکہ سیمر اس کے حملہ کی کامیاب مدافعت کرے۔ چنانچہ اُس نے منّت مانی مراد پائی۔دیکھو تاریخ پنجاب اُردو بھائی پر مانث وصفحہ 133 اور ہندو ہسٹری جلد اوّل صفحہ 31۔انہیں تعلقات کی وجہ سے ہندو لوگ حضرت ابراہیمؑ،اسماعیلؑ،عیسیٰؑ اور ایوبؑ کے ناموں سے بھی خوف واقف ہو گئے۔چنانچہ ان کی کتب مقدسہ میں جو زمانہ مابعد الوید میں لکھی گئیں۔یہ نام پائے جاتے ہیں۔ ابراہیم کا نام برہما اور اسماعیل کا نام اتھرونؔ لکھا ہے۔اور اسے برہما کا بڑا بیٹا قرار دیا گیا ہے۔عیسو جو اسماعیل

کا داماد تھا اس کا نام بدل کر شیو ہو گیا ہے۔ اَیوب علیہ السلام کا بُت محمد بن قاسم کے حملے کے وقت ملتان میں پوجا جاتا تھا۔ (دیکھو فتوح البلدان صفحہ 445) یہ خیال رہے کہ ایوب لفظ سنسکرت میں بعینہ اسی شکل اور ان ہی معنوں میں پایا جاتا ہے

اتھر وید کی فضیلت باقی ویدوں پر

اتھر وید کی مہاتما پتنجلی باقی ویدوں کا سردار تسلیم کرتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ اس میں ایک سوکت ایسا ہے جس میں حضرت ابراہیم، اسمٰعیل اور خانہ کعبہ کی تعریفیں صاف الفاظ میں لکھی گئی ہیں۔ سب سے مشہور سوکت پرش سوکت ہے۔ جو نارائن رشی کی ایک لطیف نظم ہے۔ اس میں حضرت اسمٰعیل کی ذات ہے۔ جس کو کلمۃ اللہ قرار دیا گیا ہے۔ بعینہٖ جیسے عیسائی حضرت مسیح کو کلمۃ اللہ قرار دیتے ہیں۔ اس کے آخری منتر 33 میں مستقل طور پر بیت اللہ قرار دیا ہے۔

(دیکھو......شاکھا۔ کانڈا 10 سوکت 2)

پراچین زمانہ کے ہندو موحد اور ویدوں کے منکر تھے

حضرت سری کرشنؑ اور گوتم بدھ کے علاوہ ہندو قوم میں متعدد رشی ایسے گذرے ہیں جو ایک خدائے عالم الغیب والشہادۃ پر ایمان رکھتے تھے۔ اور ویدوں کے رشیوں کی طرح دیوی، دیوتاؤں کے پجاری نہ تھے۔ ان میں چند ایک کے نام یہ ہیں: کاتیائن، باورائن بیاس، شنکراچاریہ، پانِنی، پتنجلی، مہاتما پتنجلی نے حقیقی یا سچے وید کی بابت لکھا ہے کہ وہ برہما پر نازل ہوا تھا۔ اور برہما کی بابت لکھا ہے کہ خدا اس سے ہمکلام ہوتا ہے۔ یہ لوگ شاستر کے سوتر 26 کی تشریح کرتے ہوئے انہوں نے ایک فقرہ لکھا ہے۔ جس کا عربی ترجمہ حسب ذیل ہوگا۔

قال اللہ فی الوید الذی انزل علی برھما ۔''**سبّح بحمد ربک الذی انزل الوید والذی کان قبل الوید**۔ یعنی خدا تعالیٰ نے اس وید میں جس کو اس نے برہما پر اُتارا تھا۔ فرمایا ہے کہ ''اس خدا کی تسبیح بیان کرو جس نے وید کو اُتارا۔ اور جو وَید سے بھی پہلے تھے۔ (کتاب الہند جلد 1 صفحہ 28) اس فقرہ سے وید کا اَزلی ہونا بھی باطل ہو گیا۔ کیونکہ برہما (حضرت ابراہیم) آدم سے دو ہزار سال بعد آئے تھے۔ نیز یہ فقرہ موجودہ ویدوں میں کسی جگہ پایا نہیں جاتا جس سے ثابت ہوا کہ حقیقی وَید کی شکل بھی موجودہ

زمانہ کے ہندوؤں نے نہیں دیکھی اور نہ ان کے باپ دادوں نے۔ مَا لَهُم بِهِ مِنْ عِلْمٍ وَلَا لِآبَائِهِمْ كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ إِن يَقُولُونَ إِلَّا كَذِبا (سورة الكهف 5) ان حقائق کی موجودگی میں پراپیگنڈا زدہ اور اصلیت سے ناواقف آریہ سماجی اگر اب بھی وید کے الہامی ہونے کا ڈھونگ رچائیں تو ان پر افسوس ہوگا۔ خصوصاً جب کہ وہ دیکھ چکے ہیں کہ بڑے بڑے پنڈت اور آریہ سماجی لیڈر جیسے پنڈت منگل داس پرنسپل سنسکرت کالج بنارس، پنڈت دیو پرکاش جی، بحوالہ آریہ......لاہور مورخہ 28 جون 1931ء صفحہ 10 پنڈت دھجارام جی وید پٹیالہ نواسی۔ پریزیڈنٹ آریہ سماج پٹیالہ بحوالہ اُمرت بابت ماہ ستمبر 1930ء صفحات 5 تا 7 وغیرہ وغیرہ ویدوں کی تعلیم کو احمقانہ اور جاہلانہ قرار دے چکے ہیں۔ اور سوامی دیانند کی تفسیر وید کے بارہ میں متعدد پنڈتوں اور فاضلوں نے متفق اللفظ ہو کر کہہ دیا ہے کہ سوامی جی پالیسی کے طور پر ویدوں کے الہامی ہونے کا پرچار کرتے تھے وہ دِل سے ان کو الہامی نہیں مانتے تھے۔ اس اَمر کی ہمارے پاس بہت سی معتبر شہادتیں موجود ہیں۔ بشرطِ ضرورت اُن کو دوبارہ پبلک میں لایا جا سکتا ہے۔ اس سے قبل وہ انگریزی رسالہ *Dayanand Unrevealed* کے اندر 1890ء اور 1892ء میں شائع ہو چکی ہیں

ویدک تعلیم کا ذکر قرآن میں

ویدوں کی مشرکانہ تعلیم اور ان کا غیر الہامی ہونا بخوبی ثابت ہو چکا۔ اب میں یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ ویدک دیوتاؤں کا ذکر قرآن نے نہایت خوبی کے ساتھ کیا ہے۔ فرماتا ہے۔
وَجَعَلُوا بَيْنَه وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا ط (جو بڑا ظلم ہے) یعنی انہوں نے ہندوؤں کے بزرگوں نے خداوند تعالیٰ اور دیوی دیوتاؤں کے درمیان نسبی تعلق ٹھہرایا سورۃ الصافات مزید اسی آیت میں فرمایا: وَ لَقَدْ عَلِمَتِ الْجِنَّةُ إِنَّهُمْ لَمُحْضَرُونَ۔ (سورۃ الصّافات 159) یعنی جن دیوی دیوتاؤں کو انہوں نے خدا کے بیٹے یا پوتے پڑوتے فرض کر رکھا ہے۔ وہ خود خدا تعالیٰ کو جواب دہی کے لئے حاضر کئے جائیں گے۔

یاد رکھنا چاہیے کہ ہندو عقیدہ کے مطابق پیدائش عالم اس طرح ہوئی کہ اوّل خدا اپنے ہی تخم سے حاملہ ہوا یعنی اُس نے اپنے جسم کے دو حصے کر کے اوپر کا نصف مرد کا اور نیچے کا نصف عورت کا بنایا۔ تب نچلے حصے میں اپنا بیج ڈالا اس کا حمل اُس کی ناف سے ذرا اوپر تھا۔ اور سونے کے انڈے کی شکل میں نمودار ہوا۔ ایک برس گذر جانے کے بعد اس حمل سے ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام برہما ہے۔ اس برہما نے اوّل منو کو اور پھر جملہ مخلوق زمین۔ آسمان دیوتاؤں (ملائک) کو پیدا کیا۔ دیکھو رگوید منڈل 10 سوکت 121,82 اور یجروید

ادھیائے 31 منتر 11، 12 اور منوسمرتی ادھیائے پہلا اور وشنو پران وغیرہ خدا تعالیٰ کا صاحب اولاد ہونا اس قدر لغو اور گندا عقیدہ ہے کہ عقلِ سلیم اس کو دھکے دیتی ہے۔ اسی عقیدہ نے دیوتا پرستی اور عناصر پرستی کی تعلیم جو وَیدوں میں پائی جاتی ہے، ہندو قوم کو سکھلائی۔ اور آج تک اس قوم کا اس نے پیچھا نہیں چھوڑا۔ پس مسلمانوں کا فرض ہے کہ دینی اور ملکی بھلائی کی خاطر ہندوؤں کو اس عقیدہ سے باز رکھیں۔ اور لاالٰہ الاّ اللہ یعنی کلمہ توحید کی تلقین کر کے خدا کے بندے بنائیں۔ ورنہ اس وقت تک تو اکثر دیوتاؤں کے بندے ہیں خوشی کا مقام ہے کہ روشنی کے زمانہ کے شاستروں میں وَیدک عقیدہ کے خلاف صحیح عقیدہ درج ہے۔ یعنی کہ خدا تعالیٰ اکیلا تھا۔ اور بجز اس کی بانی یعنی کلام کے اور کوئی اس کا رفیق نہ تھا۔ تب خدا تعالیٰ نے اپنے کلام کے ذریعہ جملہ کائنات پیدا کر لی۔ دیکھو تانڈیہ مہابرہمن 2:14,20 کاٹھک سنگتا 12-27:5 شپتھ برہمن کانڈ 14 وغیرہ پچھلا عقیدہ الہامی کتابوں کے تعلیم کے موافق اور اسلام عقیدہ کُنْ فَیَکُوْن کے عین مطابق ہے۔ گویا ان شاستروں نے ویدک عقیدہ کی کھلی کھلی تردید کر دی۔

اب وہ نامۂ منظوم درج کیا جاتا ہے۔ جو میں نے اپنے ایک عزیز دوست کے نام لکھا ہے۔ اُمید ہے وہ دوست اب اپنے باطل عقیدہ کو چھوڑ دیں گے۔ نیز میں اُمید کرتا ہوں کہ یہ نظم عام ناظرین کی دلچسپی اور ضیافت طبع کا موجب ہوگی۔

ہیں مؤیّد شرک کے توحید کے حامی
رب کعبہ کی قسم "یہ وید الہامی نہیں"

ایک غلطی خوردہ دوست کے نام مکتوب

یہ کہاں کی عقل ہے اے دوست کیسی زیرکی؟
ماننے تم بھی لگے ویدوں کو گیانِ ایشوری
وید کو تم جانتے ہو ایک الہامی کتاب
آریوں کے واسطے جو ہند میں نازل ہوئی
گر یہ سچ ہے اس نبی کا نام تو بتلایئے

قلب پر جس کے ہوا نازل یہ گیانِ ایشوری
تم نے بے تحقیق حق باندھا ہے یہ باطل خیال

وید کا الہام کیا ہے؟ قصۂ دیوپری
تھا گماں کس کو کہ تم ہو جاؤ گے ہندونواز

وید میں دیکھو گے بیّن آیتوں کی روشنی
وید کے اس رنگ میں ہو جاؤ گے تم شیفتہ

اُپنیشد سے جس طرح دادا کو تھی دلبستگی
اُپنیشد کو جانتا دادا تھا وہ مکنوں کتاب

جس کی سورۃ واقعہ میں حق نے ہے توصیف کی
چن لیا دارا نے اُپنیشدوں کو تم نے وید کو

مجھ کو ڈر ہے کوئی دونوں کو نہ کہہ دے مفتری
اندؔر اور اگنؔی کا تم اس طرح سے لیتے ہو نام

پربہو۔ پربھو جیسے دارا کی جچے انگشتری(۱)
گر کتب اسلامیہ پر تم کو کچھ ہوتا عبور

دور ہوجاتی تمہاری آنکھ مکنون یعنی بمنزلہ

حاشیہ ۱: یعنی بمنزلہ داراشکوہ نے اپنی انگشتری پر ہو بہو نقش کروایا تھا اور اپنیشدوں کو کتاب مکنون یعنی بمنزلہ لوحِ محفوظ سمجھتا تھا۔ یہی عقیدہ اس کے قتل کا باعث ہوا۔ حالانکہ اپنیشد کوئی الہامی کتاب نہیں اور کتاب مکنون سے مراد تمام سابقہ الہامی کتب ہیں۔ جو قرآن کے زمانۂ نزول کے وقت سب کی سب گویا منہ چھپائے بیٹھی تھیں۔

برہمن

عالموں نے ناستک مت کا اُسے حامی کہا
وحی حق نے بھی کہا ''ہے وید پُر از گمرہی''(۱)
اور سچ مچ تھی اگر یہ کوئی الہامی کتاب
کرشن اور گوتم نے کیوں پھر وید کی تردید کی
پیروی وید سے آرجن کو روکا کرشن(۲) نے
گدلے پانے کے گڑھے سے صاف اُسے تشبیہ دی
ناستک کہلا لیا مانا نہ ہرگز وید کو
دیکھ لو گوتم کی عزت اور اسکی منصفی
منکروں میں اس کے نانک(۳) اور تلسی داس ہیں
رامانج شنکر نے بھی پائی نہ اس میں روشنی
وید وہ کیسا؟ نہ ہوں جس میں الٰہی تذکرے
جو چکھاتا ہو تکلم کی نہ مطلق چاشنی
چھین کر جس نے خدا سے اسکی ساری مملکت
دو جہاں کی دیوتاؤں کو حکومت بخش دی

حاشیہ۱: سورۃ الصّٰفّٰت رکوع آخری وتذکرہ صفحہ 61 گیتاادھیائے نمبر 1 اشلوک 46

حاشیہ۲: بابانانک فرماتے ہیں:

پڑھ پڑھ پنڈت منی تھکے ویدوں کا ابھیاس
ہر نام چیت نہ آلوئے بہ نج گھر ہووے باس

حاشیہ۳: تلسی داس فرماتے ہیں:

چرت سنہ گر چار وید نہ پاویں پار
بدنوں تلسی داس کم ات مت مند گوار

(رامائن بال کانڈ)

اصلی وید کہاں ہیں؟

رہ گئی اِک بات وہ بھی عرض کردوں آپ سے
جانتا ہوں پھانس جو دل میں تمہارے ہے لگی
وید الہامی جسے سمجھا ہے تم نے اے عزیز
تھی کتاب اصلی وہی برھما پہ جو نازل ہوئی
آج لیکن کس جگہ دنیا میں ہے اس کا نشاں
چاٹا دیمک نے اُسے یا آسماں پر اُڑ گئی
نامہ فرزآباد(۱) میں ملتا ہے کچھ اس کا اثر
پر ہے حامل اسکے مضموں کی زبانِ پارسی
اصل نسخہ جوکہ عبرانی و کلدانی میں تھا
کون جانے کس جگہ مدفون ہے زیرِ زمیں

حاشیہ ا: نامہ فرزآباد دساتیر کا پہلا نامہ ہے۔ جو فرزآباد یعنی حضرت آدم کی طرف منسوب ہے۔ فرزآباد اور مہ آباد دونوں حضرت ابراہیمؑ کے نام ہیں ہندو شاستروں میں حضرت ابراہیمؑ کو برہما کے نام سے پکارا گیا ہے۔ دیکھو شاستر پتن جلیسوتر 26 اور منڈک اپنیشد جس میں لکھا ہے کہ برہما نے اپنے بڑے بیٹے اتھرون کو ودیا سکھائی۔

رشیوں کا دیوتاؤں پر ایمان اور ان سے استمداد

الغرض جو وید اصلی تھا وہ اب مفقود ہے
نام کے ویدوں کی اب سُن لیجئے کچھ ہسٹری
وید منتر نام ہے جن کا ہے رشیوں کا کلام
اور ہے مقصود ان سے دیوتاؤں کی خوشی
جس کو دیکھا زور مند اور جس کو دیکھا تابناک
دیوتا سمجھا اُسے۔ کی دل سے اسکی چاکری
وید کو سب جانتے ہیں جاہلیت کا کلام
وَحی اور الہام سے کون اس کو دیتا آگہی؟
تھے رشی(۱) ایسے ہی جیسے راجپوتانے کے بھاٹ
دان لیتے تھے مگر کرتے نہ دریوزہ(۲) گری
پڑھ کے منتر دیوتاؤں کو بلا لیتے تھے وہ
منتروں کے آگے کوئی شے ٹھہر سکتی نہ تھی
کچھ تپسیّا کا بھی اس میں کچھ توجہ کا تھا دخل
تھا یقیں ان کو کہ وہ کرتے ہیں حق کی پیروی
دیوتاؤں کے عقیدت مند تھے اور صاف دل
منہ سے جو کہتے تھے۔ مقصد انکا ہوتا تھا وہی

حاشیہ۱: اس سے مراد ویدوں کے رشی ہیں۔ ویدک زمانہ کے بعد کے رشی جو فی الواقعہ روشنی کا زمانہ تھا ان سے مستثنیٰ ہے۔

حاشیہ۲: دریوزہ گری بمعنی بھیک مانگنا۔ راجہ آسنگ ایک مرتبہ نامرد ہو گیا اس کی رانی ششوتی بہت دکھیا ہوئی تب اس نے تپسیا کی جس کے باعث راجہ کی قوت مردمی بحال ہو گئی رانی بہت خوش ہوئی۔ اس نے میدھ اتتھی کو بلوا کر راجہ کی قوت مردمی خصوصاً اس کے عضو تناسل کی تعریف میں منتر لکھنے کی فرمائش کی رشی نے فرمائش پوری کر دی۔ دیکھو رگوید (منڈل 8 سوکت 1 منتر 34)

تھے تو ناواقف چلتر سے ریاکاری سے دور
دیوتاؤں سے مراد ایشور نہ لیتے تھے کبھی
دیوتاؤں پر یقیں رکھتے تھے یوں اولاد کا
جیسے اِیشور پر ہریش چند اور راجہ بھرتری
منتروں کے زور میں پنہاں تھا حلِ مشکلات
دیوتاؤں سے عقیدت تھی کلیدِ خرّمی
اس کو دیکھو برہسپتی کے بل پہ ہے ریجھا ہوا
اسکو دیکھو گھڑتا ہے منتر ز بہر ششوتی(۱)
کوئی اندر اور اَگنی کی ہے منت کر رہا
کوئی کرتا ہے کھڑا اشس کے آگے بینتی
سوبرس کی عمر پانے کی کہیں ہے التجا
دعوتِ سوماؔ اسی مطلب سے ہے دی جا رہی
ایک دھن کی چاہ میں گر ہو رہا ہے بیقرار
دوسرے کو رات دن اولاد کی ہے لَو لگی
جھاڑتا ہے کوئی چھُومنتر سے کالے ناگ کو
دُور کر جلدی سے بس اپنی یہ ہے حکمِ رشی
کوئی پڑھتا ہے عرقریزی سے منتر روز وشب

تاکہ اغوا کرکے لے جائے کسی کی اَستری(۲)
ہے تڑپ دل میں کہ وہ نازک بدن سیمیں عذار
ماہِ طلعت حسن کے سانچے میں سر تا پا ڈھلی
تریاہٹ کو چھوڑ دے اور اپنی انا کو توڑ دے
دست بستہ ایکدن ہو آکے چرنوں میں کھڑی
اُروسیِ اور پرُ ذرَو کا عشق لطف(۲) انگیز ہے
کیف آور ہے وہیں پر قصہَ یمّ و یمی(۳)

حاشیہ اصفحہ 69: اتھرویدکانڈ 6 سوکت 8 منتر 1 تا 3

حاشیہ۲: رگویدمنڈل 10 سوکت 95 پرُ ذرَوایک نوجوان کے ہاتھ ایک اسپرا (حور) آگئی۔ اس نے اس سے زنا شوئی کا رشتہ گانٹھ لیا۔ وہ اسپرا کچھ عرصہ کے بعد موقعہ پاکر وہاں سے چل دی۔ لیکن چند یوم گزرنے کے بعد پھر اپنی سہیلیوں کے ہمراہ دیکھی گئی۔ پرُ ذرَو نے پھر اس پہ عشق ومحبت کے ڈورے ڈالنے شروع کئے مگر

مرغے کہ پریدہ گرد داز دام
من بعد بہ دانہ کے شود رام

حاشیہ۳: یم اور یمی سگے بہن بھائی تھے تنہا ایک گھر میں رہتے تھے۔ دونوں سن بلوغت کو پہنچے۔ تو ایک دن بہن نے بصد منت پیارے بھائی سے کہا کہ میرے ساتھ ہم صحبت ہو۔ لیکن غیوّر بھائی نے اس کی درخواست مسترد کر دی۔

(دیکھو رگویدمنڈل 10 سوکت 10)

وشوامتّر کی سماجت سے چڑھی ہوئی ندیاں اتر گئیں

وشوامتّر اک برہمن خطہ پنجاب کا
کرتا تھا سوداس کے دربار میں کویشری(۱)
یگیہ کروا کے اکدن اور لیکر دکشنا
برکنارِ آبِ گھارا آ کے ٹھہرا وہ رشی
تھا بھرت کے خانداں کا ساتھ اک جم غفیر
پار جانے کو کوئی کشتی نظر آتی نہ تھی
دست بستہ تب پکارا اس نے ستلج بیاس کو
میں مسافر ہوں سنو بہنو! میری یہ بینتی
آیا ہوں سود اس کے ہاں سے بصد عزو شرف
یگیہ جو میں نے کروائی تھی سمپورن ہوئی
گاڑیاں ہیں اور رتھیں ہیں اور دولت بے قیاس
تم اُتر جاؤ تو ہم بھی پار ہو جائیں ابھی
ندیاں بولیں کہ ہم حاضر ہیں خدمت کے لئے
زیر ہوجائیں گی جیسے وقتِ صحبت استری
تم نے کی دُستُتِ ہماری پار ہوجاؤ بخیر
گاڑیوں کی اور رتھوں کی تر نہ ہوگی اک دھری(۲)
ندیاں نیچی ہوئیں اور پار اترا قافلہ
وشوامتّر کی زبانوں پر کرامت رہ گئی

حاشیہ۱: راجہ سوداس غالبًا یوپی کے کسی علاقہ کا راجہ تھا۔ایک دفعہ اس نے پنجاب کے راجاؤں پر چڑھائی بھی کی تھی۔یہ راجہ اجودھیا کے راجہ رام چندر جی سے کچھ عرصہ پہلے گزرا ہے

حاشیہ۲: رگوید منڈل 3 سوکت 33 منتر 1 تا 10

کون کہہ سکتا ہے اندر کی دیا سے یہ ہوا
یا دل مضطر نے دریا کی روانی روک دی

رگوید اور اتھرون کی تعلیم

وِشوامِتّر کے علاوہ بھی رشی ہیں بیسیوں
شعر گوئی میں کٹی تھی جن کی ساری زندگی
نام اور ان میں اگستیہ اور وامدیو
گوتم و پارا شرونودہا۔ سَوِیّہ جگنی
ہرنیہ، جتیا، کنو، گھوشا و لوپا مدرا
دیر گتما۔ رنگرہ اور پنچ کس ور شاگری
دیوتاؤں کی ثناخوانی تھا شغلِ روز و شب
دیوتاؤں کی رضامندی میں ان کی سرخوشی
یگیہ، مہما، عبادت، سنکلپ، نذر و نیاز
دیوتاؤں کیلیئے ہے وقف ہر چھوٹی بڑی
اوڑھنے کو اور بچھانے کو ہیں دیوی دیوتا
دیویوں اور دیوتاؤں کی لگی ہے گُل جھڑی
گر نہ ہوتے دیوتا ہوتا نہ رسمِ وَید بھی
وید خود ہی دیو کی اک شکل ہے الٹی ہوئی
ایک عنقا ہے نبوت سیمیا روح القدس
طورِ سینا کی وہاں مفقود ہے جلوہ گری
لاکھ وَیدوں کو پڑھو۔ اِک اِک الٹ کر تم ورق
ڈھونڈنے سے بھی ملے گا واں نہ نورِ سرمدی
دیکھ لو رگ اور اتھرون کی یہی تعلیم ہے

ہاتھ کنگن کو نہیں درکار اے جان آرسی

ویداور دیوتاؤں کا چولی دامن کا ساتھ؟

ہے لرزتا آج ہندو یگیہ کے نام سے
گر یجر پر ڈالتا وہ اِک نگاہِ سرسری
دیکھ لینا جانور واں ایک بھی چھوڑا نہیں
گوسفند و گاؤ بُز سے لیکے تا کبک دری
اونٹ بھی نہ بچ سکا ہرچند تھا تازی نژاد
اور محمد(ا) کی سواری بھی تو منسوب اس سے تھی
یگیہ میں نعمتیں ہوں لاکھ دسترخواں پر
بے کبابِ سیخ دیتی تھی نہ لذت ایک بھی
چُن دیئے یجمان نے جب بیل کے لاکر کباب
یگ سمپورن ہوا مونھوں پہ لالی رہگئی
تھیں مگر قربانیاں یہ دیوتاؤں کیلئے
بھینٹ ایشور کی چڑھی اک دن نہ کالی بھیڑ بھی

☆☆☆

حاشیہ ا: ماہے یا مہامت دیکھواتھر وید سوکت 127 اور بھوشیہ پران۔ یہاں محمد یا مہامت سے مراد محمد بن قاسم ہے جو ہندوؤں کا داماد تھااور نہایت عادل اور رحیم وکریم بادشاہ ہونے کے باعث ہندوؤں نے اسے رشی قرار دیا اور اس کی معزولی پر اس کی مورتی رکھ کر پوجا کرنے لگ پڑے تھے۔

نظم

نام ہے جس کا اتھرون ہے تتمہ وید کا
جو کمی پہلوں میں تھی وہ اس سے پوری ہوگئی
جادو ٹونے سینکڑوں تیار ایسے ہوگئے
طب کے نسخوں کی دنیا کو نہ حاجت کچھ رہی
بانجھ عورت حاملہ(۱) ہو اور نامردی ہو دور(۲)
برص کھانسی اور تپدق کہنہ مرضیں اور بھی(۳)
جڑ سے کٹ جائیں رشی جی آکے جب پڑھیں
سانپ زہریلے نہ کاٹیں(۴) ہو موٴثر ہر جڑی(۵)
عشق کا منتر پڑھے جب کوئے جاناں میں کوئی
تیر سے ویراگ کے گھائل ہو سندر استری
کردے کیوپڑ اپنی نظروں سے اسے ایسی نڈھال
ہوکے بے بس کچے دھاگے سے چلی آئے بندھی(۶)
گر حیا مانع نہ ہوتی ایک دو منتر عجیب
نقل کردیتا اتھرون وید کے میں اور بھی
ایسے منتر جنکو چرکیں گر سنے عش عش کرے
واہ وا کا غل ہو گر سن لیں انھیں دام مارگی(۷)

حاشیہ۱اور۲: اتھرویدکانڈ3سوکت23منتر1تا6اورکانڈ6سوکت72منتر1تا2
حاشیہ۳: اتھرویدکانڈ6سوکت105منتر1تا3وسوکت85منتر1تا3
حاشیہ۴: اتھرویدکانڈ6سوکت56 منتر1تا3
حاشیہ۵: اتھرعیدکانڈ4سوکت4منتر1تا8
حاشیہ۶: اتھرویدکانڈ3سوکت25منتر1تا6(کیوپڑیعنی عشق کادیوتا)
حاشیہ۷: اتھرویدکانڈ6سوکت72منتر3

رشی فقط ایشور کا نام جانتے تھے
اسکی صفات سے واقف نہ تھے

برہم(۱) اور ایشور کا ویدوں میں نہیں کچھ تذکرہ
نام سے بڑھ کر خبر ایشور کی رشیوں کو نہ تھی
کچھ صفاتِ حق کا ہے مذکور نے کچھ ذات کا
شکوہ کن ہرگز نہ تھی، نوحہ کن ویدانتی
بسترِ راحت پہ ایشور ہے پڑا بیکار و سست
فائدہ کیا؟ اس کے آگے ہاتھ پھیلائے کوئی(۲)
صرف اِک منتر میں ہے مذکور اک ادنیٰ سی بات
یعنی ایشور تھا اکیلا، جبکہ کوئی شے نہ تھی
نے زمیں نے مہر ومہ، نے چرخ نے سیّارگاں
نیستی تھی اور نہ ہستی، موت تھی نَے زندگی
اِن رشی نے عالمِ حیرت میں یہاں تک کہہ دیا
کون جانے خلق کیونکر اور کب پیدا ہوئی
کوئی سرجن ہار بھی اس کا ہے یا ہے خود بخود
کون دھرتی پر ہے ایسا واقف سرِ خفی
جانے اس کا بھید وہ جو چرخ پر ہے براجمان
یا اُسے بھی عین ممکن ہے نہ ہو کچھ آگہی(۳)

حاشیہ۱: برھمن بمعنی خدا سب سے پہلے گیتا میں بولا گیا پھر عام ہو گیا
حاشیہ۲: سام وید منتر 3 صفحہ 436 ورگوید منڈل 8 سوکت 81 منتر 30
حاشیہ۳: رگوید منڈل 1 سوکت 129

وید زمانہ جاہلیت کی یادگار ہے

اے بجیرت سرفرو بُردہ بسوئے من شتاب
باز بنمائم ترا آئینۂ اسکندری
ہوگئی ہے وید کی ساری حقیقت بے نقاب
اور اِن پاکھنڈیوں کی ساری شیخی کرکری
جاہلیت کے زمانے کی ہے یہ اِک یادگار
شاعران عہدِ کہنہ کی بیاضِ کجروی
کون ہے اب بھی جو مانے اس کو الہامی کتاب
کون رکھے گا بھلا آنکھوں پہ اپنی ٹھیکری
کچھ تعلق اس کو مذہب اور ملت سے نہیں
کیا نہائے کیا نچوڑے گی جو ننگی ہو کھڑی
آنکھ کھول اور خوابِ غفلت سے ذرا بیدار ہو
چھٹ گیا اب تو اندھیرا صبحِ صادق ہو گئی

☆☆☆

ضمیمہ تحفہ ہندو یورپ

ہندو اور مسلمان آپس میں کیوں جھگڑتے ہیں

جبکہ

دونوں قوموں کا مورِث اعلیٰ ایک تھا اور دونوں قومیں برہما ''یعنی ابراہیم علیہ السلام'' وشنو ''یعنی حضرت نوح جو ویش تھے۔ اور جنہوں نے طوفان میں کشتی بنائی تھی'' اور شیو ''یعنی آدم علیہ السلام کو سچے نبی اور اُولوالعزم اوتار مانتی ہیں۔

اسلام خالص ابراہیمی مذہب ہے

ہندو ترموتی

ہندو لوگ تین دیوتاؤں یا پیغمبروں کو اپنے دین کے اعلیٰ ارکان تسلیم کرتے ہیں یعنی برہما۔ وشنو۔ شیو کو مسلمان ۔عیسائی اور یہودی بھی تین پیغمبروں کو اپنے دین کے اعلیٰ ارکان یا پیغمبران اولوالعزم تسلیم کرتے ہیں ۔یعنی ابراہیمؑ ۔نوحؑ ۔آدمؑ کو میرے خیال میں برہما ابراہیمؑ ہیں ۔وشنو اصل میں ویش نوحؑ ہیں ،یعنی وہ نوحؑ جو ویش کہلاتے تھے اور شیو حضرت آدم علیہ السلام ہیں ۔رہا برہما کا معاملہ یہ سب سے زیادہ اہم ہے کیونکہ ہندوؤں کے جس قدر فرقے ہیں ۔وہ سب کے سب اس بات پر متفق ہیں کہ سرشٹی کی ابتداء برہما سے ہوئی ہے اور برہما پر ہی وَید نازل ہوا تھا۔ وہ برہما کو نارائن کا فرزند اکبر یا ابن اللہ یقین کرتے ہیں یا یوں کہو کہ ان کے اعتقاد میں برہما خدا کے ہاتھ سے ظاہر ہوئے تھے اور انسانی ہاتھوں کا انکی بناوٹ میں دخل نہیں تھا۔

اِس خیال میں کہ اگر برہما اور ابراہیم کا زمانہ ایک ثابت ہو جائے تو کسی کو اسبات کے ماننے میں کچھ عذر نہ ہوگا کہ برہما اور ابراہیم ایک ہی شخصیت ہے ہندوؤں کو چونکہ الٰہیات کا صحیح علم نہیں اور انکی تاریخ قدیم دُھندلکے میں پڑی ہے ۔اِس لئے انہوں نے اٹکل کے طور پر دنیا کی ابتداء یا برہما کے زمانے کی ابتداء 1,970,000,000 سال سے مانی ہوئی ہے۔ جس کی قطعیّت کا ان کے پاس کوئی ثبوت نہیں ۔اِنْ ھُمْ

إِلَّا يَخْرُصُونَ (سورة الزخرف 21)(وہ اٹکلوں سے کام لیتے ہیں)البتہ مسلمان یہودی اور عیسائی اس اَمر پر متفق ہیں کہ حضرت ابراہیم کا زمانہ آج سے 4000 سال پیشتر اور مسیح علیہ السلام سے دو ہزار سال قبل تھا۔پس اگر یہی زمانہ برہما کا ثابت ہوجائے تو ہمارا مقصد حل ہوجائیگا الحمدللہ کہ سنین کی یہ مطابقت ہندوؤں ہی کی تاریخوں سے پایہ ثبوت تک پہنچ گئی ہے جس کو میں یہاں پیش کرتا ہوں

مَیں ہمیشہ حیران ہوتا تھا کہ ہندو کیا غضب کرتے ہیں کہ برہما کا زمانہ سرشٹی کی اِبتدا سے شمار کرتے ہیں۔ بارے حال ہی میں تاریخ راجپوتان پنجاب جلد اوّل مصنفہ ٹھاکر کاہن سنگھ صاحب ساکن بسوہلی ریاست جموں نظر سے گذری ٹھاکُر صاحب کا دعویٰ ہے کہ نقل کیا گیا ہے اور اسے برہما تک پہنچایا ہے۔

چندر بنسی راجپوت برہما یا ابراہیم کی اولاد ہیں

چندر بنسی راجپوت ہیں۔اس شجرہ میں برہما سے لیکر بھیشم برہمچاری تک پچاس پشتیں درج کی ہیں اور بھیشم کا زمانہ ٹھیک مہابھارت کا زمانہ ہے۔کیونکہ بھیشم کورو پانڈو کی جنگ میں شامل تھا۔اس سے ہمیں برہما کا زمانہ متعین کرنے میں نہایت آسانی ہوگئی ہے۔ہمیں معلوم ہوگیا کہ برہما کے زمانے سے مہابھارت کے زمانے تک زیادہ سے زیادہ پچاس پشتیں ہیں۔

ہر چند اس میں مبالغہ ہے۔اور پشتوں کی تعداد بہت زیادہ معلوم ہوتی ہے۔تاہم اگر ہم پچاس پشتوں کو صحیح قرار دیں تو بھی پچاس پشتوں کے گذرنے کے لئے ایک ہزار سال درکار ہوتا ہے کیونکہ یہ اَمر مسلم ہے کہ بالعموم ایک صدی کے اندر پانچ پشتیں آجاتی ہیں۔پس ثابت ہوا کہ برہما کے زمانے سے مہابھارت کے زمانے تک ایک ہزار سال کا عرصہ گذرا تھا۔دوسری طرف جبکہ ہم بائبل اَور عام تاریخوں کو دیکھتے ہیں۔تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ مہابھارت کا زمانہ حضرت مسیح سے اک ہزار سال پیشتر تھا اور ہمیں یہی معلوم ہے کہ حضرت مسیحؑ ایک ہزار سال بعد تھا

اوپر کی بحث سے صاف ثابت ہے کہ برہما اور ابراہیم علیہ السلام ایک ہی شخصیت کا نام ہے۔اور دونوں کا زمانہ بھی ایک ہی تھا۔

برہما،ابراہیم،تمام قوموں اور نبیوں کا باپ تھا

اس کے علاوہ مسلمان یہودی اور عیسائی یہ تسلیم کرتے ہیں کہ موجودہ اقوام عالم سب ابراہیم علیہ السلام

کی اولاد سے ہیں اور تمام انبیاء بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہی کی ذریّت (اولاد) سے ہیں۔اس کے یہ معنے ہوئے کہ ان کے نزدیک طوفانِ نوح کے بعد جبکہ دنیا کا قریباً خاتمہ ہوگیا تھا۔سرشٹی کی ابتداء از سرِ نو حضرت ابراہیم سے ہوئی تھی ،اور یہی بات ہندوؤں کی مسلّم ہے کیونکہ وہ تسلیم کرتے ہیں کہ سرشٹی کی ابتداء برہما سے ہوئی تھی فرق صرف اتنا ہے کہ ہندوؤں کو طوفانِ نوح کا واقعہ بھول گیا اور ان کو یہی یاد رہا کہ سرشٹی کی اصل ابتداء برہما ہی سے ہوئی ہے۔اسی لئے اپنی ترمورتی میں انہوں نے برہما کو اوّل نمبر پر رکھا ہے۔وِشنو کو دوم اور شیو کو سوم نمبر پر۔حالانکہ اصل ترتیب اس کے برعکس ہے۔یعنی زمانہ کے لحاظ سے شِو اوّل سے ہوئی۔ اور یہی ثابت کرنا ہمارا مقصد تھا۔

ہندوؤں کے کیلنڈر اور سنین فرضی ہیں

ہمارے مسلمان بھائی ہندوؤں کے منہ سے کروڑوں،اربوں سالوں کا حساب سن کر گھبرا جاتے ہیں۔ اور یہ سمجھتے ہیں کہ انکا حساب قطعی طور پر درست ہوگا۔حالانکہ حقیقت میں ان کے سب حساب اور کیلنڈر خصوصاً وہ جو اَزمنہ گذشتہ اور سنین تاریخیہ سے تعلق رکھتے ہیں۔سب فرضی ہیں۔مثلاً وہ جو زمانے کو چار یگوں میں تقسیم کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ زمانہ ست یگ،تریتا یگ،دواپر یگ اور کلجگ' میں منقسم ہے۔اور ہر زمانے کی وسعت لاکھوں سالوں تک بتلاتے ہیں۔یہ تمام فرضی حسابات ہیں۔اور اس میں حقیقت کو ایک شمہ دخل نہیں' کیونکہ خدا تعالیٰ کے سوا اور کوئی صحیح صحیح نہیں بتا سکتا کہ سرشٹی کی ابتداء کب سے ہوئی اور نہ انسان کی نجات کا مدار اس بات کے جاننے پر ہے۔البتہ قرآن شریف اور دیگر الہامی کتب نے یہ تعیین کردی ہے کہ موجودہ دورِ عالم کی ابتدا 6000 سے ہوئی اور پہلا کامل۔پھر وہ رام چندر کا زمانہ آج سے تین لاکھ سال پیشتر بتلاتے ہیں۔حالانکہ ان کے کرسی ناموں سے جو مہا بھارت اور پرانوں میں درج ہیں' یہ بات ثابت نہیں ہوتی مثلاً پرسرام جو رام چندر کے زمانے میں موجود تھا۔دَرون اَچاریہ اس کا شاگرد تھا اور دَرون اَچاریہ کورو پانڈو کی جنگ میں موجود تھا۔پس رامائن کے زمانے اور مہا بھارت کے زمانے میں قریباً سو برس کا فاصلہ ہے' اس سے زیادہ نہیں ہوسکتا۔لیکن ہندوؤں کی حساب دانی اور تاریخ دانی تو دیکھئے کہ مہا بھارت کا زمانہ وہ آج سے 5000 ہزار سال پیشتر قرار دیتے ہیں۔(۱)

"ببیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بکجا"

حاشیہ ا: اور رامائن کا زمانہ آج سے تین لاکھ سال پیشتر

بس اب بھی کچھ شک رہ گیا کہ ہندوؤں کے شمار واعداد اور سنین تاریخیہ فرضی اور من گھڑت ہیں؟

سورج بنسی راجپوت اپنے تئیں اسحٰق بن ابراہیم

کی اولاد بتلاتے ہیں

میں نے اوپر چندر بنسی راجپوتوں کے شجرہ نسب کا ذکر کیا ہے۔ اگر سورج بنسی شجرہ نسب کو دیکھیں......

قریباً پندرہ بیس پشتیں زائد درج کی ہیں لیکن خیر اس کوتاہی کو نظر انداز کرتے ہوئے بھی یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ اکشوا کو (اسحاق علیہ السلام) سے لے کر راجہ دسرتھ تک قریباً ایک ہزار سال کا عرصہ گذرا تھا۔ کیونکہ پچاس اور چھپن میں کچھ زیادہ فرق نہیں، اور اگر پشتوں کی تعداد میں کسی قدر کمی کر دیا جائے۔ تو پھر حساب ٹھیک ہو جاتا ہے، یعنی حضرت اسحٰق بن ابراہیم یا برہما سے لیکر رامائن کے زمانے تک 45 پشتیں ہوتی ہیں۔ جو 900 برس کا عرصہ بنتا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ سورج بنسی اور چندر بنسی دونو برہما یا ابراہیم کی اولاد سے ہیں۔

اکشوا کو نام اصل میں اسحٰق ہے

اکشوا کو نام ہم پر ایک اور حقیقت کا انکشاف کرتا ہے۔ میری دانست میں جیسا کہ......اوپر لکھا ہے یہ نام شاق ہے جو اسحٰق سے بگڑ کر بنا ہے۔ سورج بنسی خاندان اپنے تئیں حضرت اسحٰقؑ بن ابراہیمؑ کی نسل سے بتاتا ہے اور چندر بنسی خاندان براہ راست اپنا نسبی تعلق حضرت ابراہیم یا برہما سے بتاتا ہے

برہما مشرکین سے نہیں تھے

ایک اور زبردست ثبوت برہما کے ابراہیم ہونے کا یہ ہے کہ ہندوستان میں جہاں جہاں بھی برہما کے نام کے مندر ہیں۔ ان میں کسی مورتی کا نام ونشان نہیں پایا جاتا بلکہ وہ سادہ مسجد نما مندر ہوتے ہیں۔ کیونکہ ابراہیمؑ کو بتوں سے کیا نسبت؟ جبھی تو قرآن شریف میں جہاں کبھی حضرت ابراہیمؑ کے مذہب کا ذکر آتا ہے۔ وہاں یہ فقرہ ضرور بیان ہوتا ہے۔ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْن (سورۃ النحل 124) یعنی ابراہیمؑ یا برہما خدا کے ساتھ دیوتاؤں یا بتوں کو شریک کرنیوالا ہرگز نہ تھا۔

پیپل کیونکر ابراہیمؑ کا مظہر ہوا

اس بات کا ایک اور زبردست ثبوت کہ برہما سے مراد حضرت ابراہیمؑ ہیں یہ ہے کہ ہندولوگ بلا استثنا پیپل ے درخت کو برہما کہتے ہیں۔اور یہ یقین کرتے ہوئے کہ پیپل کا درخت برہما ہے۔وہ پیپل کی پرستش کرتے ہیں بالفاظ دیگر یوں کہنا چاہیے کہ ان کے نزدیک پیپل ہی متبرّک ہے۔سب سے اوّل غور کرنا چاہیے کہ ابراہیمؑ کی شخصیت کیا ہے' ابراہیمؑ کے متعلق کتاب پیدائش باب 17 تا 19 میں وعدہ الٰہی مذکور ہے۔ خداتعالیٰ ابراہیمؑ سے فرماتا ہے

''میں نے اپنی قسم کھائی کہ میں برکت دیتے ہی تجھے برکت دونگا۔اور بڑھاتے ہی تیری نسل کو آسمان کے ستاروں اور دنیا کے کنارے کی ریت کی مانند بڑھاؤنگا۔اور تیری نسل اپنے دشمنوں کے دروازہ پر قابض ہوگی۔اور تیری نسل سے زمین کی ساری قومیں برکت پائینگی یوں کہ تونے میری بات مانی''

اب قرآن شریف کو کھولئے تو وہاں آپ کو یہی وعدہ ذیل کے الفاظ میں نظر آئے گا:۔

وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَجَعَلْنَا فِيُ ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتَابَ وَآتَيْنَاهُ أَجْرَهُ فِيُ الدُّنْيَا وَإِنَّهُ فِيُ الْآخِرَةِ لَمِنَ الصَّالِحِيْنَ(سورة العنکبوت ع2)

ترجمہ: ہم نے ابراہیم کو اسحٰق بیٹا اور یعقوب، پوتا عنایت کیا اور اسکی ذریت میں نبوت غیر تشریعی اور کتاب یعنی نبوت تشریحی رکھدی جاری رکھی (یہانتک کہ آخری نبی کا زمانہ آگیا) اور اسکا اجر ہم نے اسی دنیا میں دیدیا۔اور آخرت میں بھی وہ اجر والے لوگوں میں سے ہوں گے۔اب آیئے پیپل کے درخت کیطرف آیئے۔پیپل کا درخت ہندوستان میں اپنی عظمت فائدہ بسائی خلق اور اپنے پھیلاؤ اور اپنے نشوونما کیلئے ضرب المثل ہے۔اسکا پھیلاؤ خصوصاً حیرت انگیز ہے۔اس کی اصل کو دیکھو۔تو ننھا سا ایک بیج ہے۔جورائی کے دانے کے برابر بلکہ اس سے بھی چھوٹا ہے۔پھر اس بیج میں یہ خصوصیت ہے کہ یہ انسانی ہاتھوں سے بویا نہیں جاتا۔بلکہ خود بخود کسی تنہائی کے مقام میں کسی چٹان کی درز کے اندر یا کسی کنوئیں کے محل کی دیوار میں اُگ آتا ہے۔انسان اگر اپنے ہاتھ سے اسے بونا چاہے تو یہ درخت ہرگز نہ اُگے گا۔

پیپل کی یہ خصوصیت ابراہیم علیہ السلام کے وجود میں بوجہ اُتم پائی جاتی ہے۔حضرت ابراہیمؑ (برہما) کو بھی خدا کے ہاتھ نے اُگایا تھا۔اور اسی کے ہاتھ سے ابراہیمؑ بڑھا۔پھیلا اور پھلا۔اور ایک ابراہیم سے اس

قدر اولاد ہوئی کہ ریت کے ذرّوں کا گن لینا......آسمان کے تاروں کا گن لینا آسان ہے لیکن ابراہیم کی اولاد کو کوئی گن نہیں سکتا اور تمام قوموں میں حضرت ابراہیم کا نام عزت سے لیا جاتا ہے۔

پس ہندوؤں کا پیپل کو برہما کہنا اسی مماثلت اور اِسی خصوصیت کیوجہ ہے اور یہ تشبیہ بالکل درست اور فَـاَنْبَتَـتْ پر مبنی ہے۔اس بات کا یہ بیّن ثبوت ہے کہ اُنکے تاریخی حالات لکھے ہوئے نہیں ملتے۔پس قرآن شریف کا یہ احسان ہے کہ اس نے برہما (ابراہیم) وشنو (حضرت نوحؑ) اور شiw (حضرت آدم) کے صحیح حالات ہمیں سنائے۔اور ان تینوں بزرگوں کو عظیم الشان تاریخی شخصیتوں کی حیثیت میں پیش کیا۔

ہندوؤں سے میری اپیل
قرآن کی تعلیم جامع ہے
اور اس کے ماننے کے بغیر نجات نہیں ہوسکتی

اے ہندو قوم! ہم مسلمان تمہارے بزرگوں کی تعظیم کرتے ہیں اور تمام اوتاروں اور نبیّوں کو خدا کا پیارا یقین کرتے ہیں، یہ تعلیم خود قرآن نے ہمیں دی ہے۔پھر کیا آپکا فرض نہیں کہ ان مقدّس انسانوں اور خدا کے برگزیدہ نبیّوں کو سچا یقین کرو۔جو ہندوستان کی سرزمین سے باہر تو پیدا ہوئے مگر تھے سب برہما (ابراہیم) کی اولاد سے ان میں سے موسیٰ۔عیسیٰؑ، داوٗدؑ، سلیمانؑ اور سب سے آخر حضرت مصطفیٰ ﷺ کا ظہور ہوا۔آپ کے ظہور سے پہلے سب الہامی کتابیں محرّف اور تبدیل ہو چکی تھیں۔اور الٰہی تعلیمات بگڑ کر تمام تبدیل ہو گئیں وہ کسی بڑے عظیم الشان اوتار کی معرفت گم شدہ تعلیموں کو دوبارہ زندہ کرتا۔چنانچہ اس نے مکہ شہر میں جہاں سب سے پہلا مندر خدا کے نام پر برہما جی (حضرت ابراہیمؑ) اور شیوٗ جی (آدم علیہ السلام) کے ہاتھوں کا بنا ہوا آج تک موجود ہے۔حضرت محمدؐ رسول اللہ کو پیدا کیا۔ اور آپ کو وہ کامل کتاب اور کامل ہدایت بخشی، جس کا نام قرآن ہے، آپ تیرہ سو برس سے اسلام اور قرآن اور محمدؐ رسول اللہ کا نام سنتے آئے ہیں، مگر تھوڑے ہیں جنہوں نے قرآن کریم کی پیروی کی، سنو قرآن کریم کی تعلیمات کی پیروی کے بغیر دنیا اور آخرت میں نجات ناممکن ہے، قرآن میں تمام سابقہ الہامی کتابوں کی تعلیم کا لُبِ لباب موجود ہے۔ اسلئے اوّل تو پہلی کوئی کتاب اصلی حالت میں موجود نہیں اور اگر موجود بھی ہو تو ہمیں قرآن کی موجودگی میں الگ الگ کتابوں کی پیروی کی حاجت نہیں کیونکہ شریعتِ محمدؐ یہ ان تمام کتب کی تعلیم اپنے اندر رکھتی ہے۔اور جو نور اور جو

برکات پہلے زمانوں میں کرشنؑ یا بدھؑ یا زرتشتؑ یا عیسیٰ یا موسیٰؑ یا برہمؑا کی پیروی سے ملتی تھیں اب وہ اکیلے قرآن کی پیروی سے مل سکتی ہیں۔

قرآن کی تعلیم جامع اور مکمل ہے یہ تعلیم انسان ترقی اور روحانی قوتوں کو پورا پورا فائدہ پہنچاتی ہے پھر یہ لوگ قرآن کی صداقت اور محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ کی پیروی کا اقرار کیوں نہیں کرتے۔ جبکہ قرآن سے تم نے فیض پایا ہے، تو شریف انسانوں کی طرح اسکا اقرار بھی کرنا چاہیے۔ سکھ، برہمو، آریہ، سماجی، نانک پنتھی، کبیر پنتھی اور رادھا سوامی وغیرہ بہت سے فرقے قرآن کی تعلیم سے مستفید ہو کر ہندوستان میں قائم ہو گئے ہیں لیکن وہ اس بات کا اقرار نہیں کرتے کہ ہمارا ہادی قرآن ہے اور کہ ہم نے جو فیض پایا۔ وہ قرآن اور اسلام کی تعلیم سے پایا ہے۔ اور پھر یہ کونسی دانشمندی ہے کہ قرآن کے بعض اصولوں کو تسلیم کیا جائے اور باقیوں سے منہ پھیر لیا جائے۔ آپ میں سے قریباً سب فرقے تناسخ یا آواگون کو مانتے ہیں۔ بھلا دنیا میں وہ کونسا فلسفہ ہے جو تناسخ کو صحیح ثابت کر دے۔ جبکہ قرآنی فلسفہ تناسخ کی تردید کرتا ہے۔ اور عام عقل اسے دھکے دیتی ہے تو پھر آپ لوگ کیوں تناسخ کو مانتے چلے جاتے ہیں۔ اسی طرح قرآن نے جسمانی اور روحانی طہارت کے بہت سے قاعدے بتائے ہیں۔ مگر آپ لوگ ان سے غافل ہیں۔ مثلاً حرام حلال کی تمیز قرآن کے سوا اور کسی کتاب میں نہیں۔ سودخوری کو قرآن نے شفقت اور ہمدردی خلائق کے لئے زہر قاتل بتایا ہے۔ پھر آپ لوگ کیوں اس کو ترک نہیں کرتے۔ قرآن نے کہا حضرت محمدؐ رسول اللہ کے حالات آپ لوگ کیوں نہیں پڑھتے۔ کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ قرآن کی کامل پیروی کے بغیر آپ پاک ہو جائیں گے۔ اور خدا کا نور آپ کے قلب میں اتر آئے گا۔ ہرگز نہیں، قرآن فرماتا ہے۔ أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِيْنَ يُزَكُّونَ أَنفُسَهُمْ ط بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّيْ مَن يَشَاءُ وَلَا يُظْلَمُونَ فَتِيْلاً. (سورة النساء 50) یعنی کیا تو نے ایسے لوگوں کو بھی دیکھا جو خود بخود اپنے نفسوں کو پاک کرنا چاہتے ہیں حالانکہ پاک کرنا تو خدا کا فعل ہے وہ جسے چاہتا ہے پاک کرتا ہے۔

حضرت محمدؐ رسول اللہ
نے تمام مذہبوں کی ازسرِ نو تنظیم کی

حضرت محمدؐ رسول اللہ آج سے 1350 برس پیشتر عرب میں آئے تا کہ تمام مذاہب اور تمام قوموں کی تنظیم کریں۔ پس جو شخص قرآن کی تعلیم کو جھوٹا سمجھ کر اس تنظیم میں حصہ نہیں لیتا اور اس سے منہ پھیر لیتا ہے

خدا تعالیٰ اسکے نام کو اپنی رحمت کے دفتر سے کاٹ دیتا ہے۔ایسے ہی جو اقوام حضرت محمدؐ رسول اللہ کے جھنڈے تلے ہو کر عمل تنظیم میں حصہ نہیں لیتیں، وہ خدا کی رحمت سے اور نجات آخروی سے محروم رہیں گی دیکھئے اسلام کے ظہور کے بعد خود اسلام کے اندر تو لاکھوں اولیاء اور خدا کے مقرّب اور خدا سے ہم کلام ہونیوالے ہزاروں ہزار کی تعداد میں دنیا کے...... وَالْعَصْرِ . إِنَّ الْإِنسَانَ لَفِي خُسْرٍ .إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۔(سورة العصر2-3)۔یہاں **العصر** سے مراد نبی کریم کا زمانہ ہے جو قیامت تک ہے۔پس خدا تعالیٰ نے نبی کریم کے زمانے کی قسم کھا کر فرمایا کہ مجھے اس زمانے کی قسم ہے(جو محمدؐ رسول اللہ کی بعثت سے شروع ہوا ہے) کہ آئندہ اسلام پر ایمان لائے۔اور اس پر عمل کئے بغیر تمام انسان گھاٹے میں رہیں گے۔

ہم اپنا فرض دوستو اب کر چکے
اب بھی اگر نہ سمجھو تو سمجھائے گا خدا

☆☆☆

کیا موجودہ وید ایشوری گیان ہیں (1)

موجودہ ویدوں کے متعلق ہندوؤں خصوصاً آریوں کے بڑے بڑے دعوے ہیں وہ انہیں ایشوری گیان بتلاتے ہیں ۔ یہ بھی دعویٰ ہے کہ یہی وید سرشٹی کے آغاز میں موجود تھے۔ جس پر تقریباً ایک ارب ستانوے کروڑ برس گزر چکے ہیں ۔لیکن خود ہندوؤں میں ایسے لوگ ہوتے رہے اوراب بھی ہیں جنہوں نے ویدوں کو ایشوری گیان نہ کبھی تسلیم کیا اور نہ اس وقت تسلیم کرتے تھے ۔ ہندوستان میں دو عظیم الشان نبی یا اوتار گزرے ہیں ۔ آؤ دیکھیں کہ ان اوتاروں کی ان ویدوں کے متعلق کیا رائے ہے

تین وید

ہندوستان کے ایک عظیم الشان نبی سری کرشنؑ ہین ۔ان کے زمانے میں تین وید تھے۔ جو ان کی پیدائش سے سو دو سو سال پیشتر تصنیف ہو چکے تھے ۔اصل میں تو وید ایک ہی تھا ۔لیکن وید بیاس نے اس کے تین حصے کر دیئے ۔

اوّل: رگوید، رچاؤن یعنی دعاؤں کا وید ہے ۔ گو یہ دعائیں سب دیوتاؤں کی تعریف میں ہیں ۔کوئی ایک سوکت (بند) بھی خالص خدا تعالیٰ کی حمد وثناء میں نہیں پایا جاتا ۔

دوئم: یجر وید ہے ۔اس میں قربانیوں کے جانوروں ،قربانیوں کے متعلق طریقوں کا مفصل ذکر ہے ۔

سوئم: وید سام ہے ۔اس میں رگوید کا بہت سا حصہ ڈالا ہے ۔اس کے علاوہ نئے اشعار (منتر) صرف 78 ہیں ۔ یہ گانے کے متعلق ہے یعنی دیوتاؤں کی تعریف میں کس طرح بھجن گائے جائیں اس کے منتروں پر سُر تال لگے ہوئے ہیں ۔ خاص خاص آدمی اس کو گاتے ہیں ۔ سری کرشن کے زمانہ میں یہی تین وید موجود تھے منوسمرتی میں بھی صرف تینوں کا ذکر ہے بدھ مت کے زمانہ تک بھی تین وید تھے ۔

چوتھا وید

چوتھا وید جس کا نام اتھروید ہے ۔ بدھ مت کے زمانے میں کئی صدیوں بعد بنایا گیا وہ اپنی نوعیت میں

پہلے تین ویدوں سے مختلف ہے۔ کیونکہ اس میں جن باتوں کا ذکر ہے۔ پہلے تین ویدوں میں نہیں اس میں ہر قسم کے گنڈے۔تعویذ۔منتر جنتر اور ہر قسم کے ٹوٹکے درج ہیں۔مثلاً سانپ کے زہر کا علاج،تپ دق کا علاج بیوی کی حفاظت کا منتر جوئے میں کامیابی حاصل کرنے کا ٹوٹکا وغیرہ وغیرہ اس چوتھے وید میں بعض پیشگوئیاں بھی ہیں۔ جو کسی عارف باللہ نے بیان کیں۔اور اتھروَوید کے مصنف نے تبرک کے طور پر پران کو اس وید میں درج کر دیا۔ ہندوؤں کے پنڈت ان پیشگویوں کو سمجھنے کی اہلیت نہیں رکھتے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ معمے ہیں یا پہیلیاں۔لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ الہامی پیشگویاں ہیں۔مثلاً کانڈ 10 سوکت 2 منتر 26 تا 33 میں کعبۃ اللہ کی تعریف اور اس کی فضیلت اور حضرت اسماعیل (جن کے نام پر اس وَید کا نام اتھر وید رکھا گیا ہے۔اور اتھرو بحوالہ منڈک اُپنشدا۔ابرہما کے بڑے بیٹے کا نام ہے) کی قربانی اور حضرت ابراہیم (برہما) کے مکہ میں عارضی طور پر قیام پذیر ہونے کا ذکر ہے۔

یہ پیشگوئیاں اس وید کا امتیازی نشان ہیں۔اسی سے مہاتما پتنجلی (پتن جلی) اس وید کو ویدوں کا سرتاج کہا ہے۔اسی بناء پر اس وید کو پہلے تین ویدوں کے ساتھ شامل نہیں کیا جاسکتا۔ پہلے ویدوں کے ساتھ اس کا کوئی تعلق زمانی یا مکانی نہیں پس اس بات کو صدق دل سے مان لینا چاہئے کہ وَید دراصل ایک ہی تھا۔وَد بیاس نے آسانی کے لئے اس کے تین حصے کر دیئے۔

حضرت کرشن اور وید

توحید اور رسالت کی روشنی سب سے اوّل اس ملک میں سری کرشن کے ذریعہ پھیلی اب دیکھئے کہ سری کرشن کا ویدوں کے متعلق کیا خیال تھا۔دوحوالے گیتا سے پیش کئے جاتے ہیں۔

1- (ہے۔ارجن) تو تینوں ویدوں کو چھوڑ کر میری شرن میں آ جا۔اگر ایک بھی گناہ باقی رہ جائے۔ تو سہی۔

(گیتا اُدھیاے 18 شلوک 66)

نوٹ:۔قدیم نسخوں میں تینوں ویدوں کو چھوڑ کر الفاظ موجود تھے۔مگر جدید نسخوں میں تینوں ویدوں کی بجائے سب دھرموں کے الفاظ پائے جاتے ہیں۔تاہم اس کی تحریف سے اصل حقیقت چھپ نہیں سکتی۔ کیونکہ سری کرشن کے زمانہ میں سوائے ویدک دھرم کے اور کوئی دھرم موجود نہ تھا۔پس سب دھرموں کو

چھوڑنے سے یہی مطلب ہے کہ ویدوں کے دھرم کو چھوڑ دے۔

2- چاروں طرف سے کامل ومکمل طور پر بھرے ہوئے تالاب کے مل جانے پر پانی کے ایک معمولی گڑھے کی جتنی حاجت انسان کو رہ جاتی ہے۔صاحب علم اور عقلمند برہمن کو ویدوں کی اتنی ہی ضرورت ہے۔

(گیتا ادھیائے 2 شلوک 46)

ہندوستان کا دوسرا عظیم الشان نبی گوتم بدھ ہے۔ان کا قول تھا کہ تم لاکھ قربانیاں کرو۔مگر اس سے تمہارے کئے ہوئے (گناہوں) کا ناش نہیں ہوسکتا۔

(تاریخ ہند مارسڈن)

یعنی ویدک قربانیاں گناہوں کی بخشش میں کچھ دخل نہیں رکھتیں۔لہٰذا بےسُود ہیں۔یہ کہہ کر گوتم بدھ نے سارے یجروید پر پانی پھیر دیا۔بدھ مت کے پیروؤں کا ویدوں کے متعلق یہ فقرہ مشہور ہے۔

ترے ویدا اَسیتیہ کرتارا بہانڈ۔دُہورت نشاچرہ یعنی تینوں ویدوں کے رچنے والے بھانڈ۔دہورت اور گُنڈے (غنڈے) تھے

(بحوالہ ماہوار اخبار ''امرت'' کراچی بابت ستمبر 1930ء)

شوتیا شوتر اُپنشد کی رائے

شوتیا شوترا پنشد میں یہ فرمایا گیا ہے کہ ''جو شخص اس ابناشی (غیر فانی) پَرم اَکاش (پرماتھا) کو نہیں جانتا۔جو رچاؤں (دُعاؤں) کا تاپتر یہ ہے۔اور جس میں سب دیوتا مقیم ہیں۔وہ ویدوں سے کیا کرے گا۔جو اس کو جانتے ہیں وہی شانتی سے رہتے ہیں مطلب یہ کہ ویدوں کی رچاؤں سے شانتی نہیں مل سکتی۔شانتی کا ذریعہ محض خدا تعالیٰ کی ذات ہے۔جو تمام رچاؤں اور دُعاؤں کا صاحب ہے۔

اس اپنیشد سے یہ بات بھی ظاہر ہوگئی کہ ویدوں کی تصنیف کے تھوڑے عرصہ بعد یعنی سری کرشن کے ظہور کے ساتھ ہی لوگ ویدوں سے بیزار ہوگئے تھے گیتا ویدوں کا مخالف۔وید کو اگر کچھ قبولیت نصیب ہوئی تو اس زمانہ میں جب کہ سری کرشن کے ظہور سے پیشتر ہندوستان پر اسی طرح ظلمت چھائی ہوئی تھی۔جیسے رسول کریم ﷺ کی آمد سے پیشتر عرب پر۔

خود وید بیاس نے ویدوں کو ترک کر دیا

اوروں کو جانے دیجئے خود وید بیاس جس نے وَیدوں کی تدوین کی اور وَید کو تین حصوں میں بغرض ذکر وفکر تقسیم کیا تھا۔ وہ بھی وَیدوں کو چھوڑ بیٹھا۔

اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ ساتویں صدی قبل مسیح میں حضرت زَرتشت ایرانی نبی بلخ میں آئے۔ تو بیاس جی اپنے اطمینان قلب کی خاطر ہندوستان سے چل کر بلخ میں پہنچے تا کہ بعض سوالات کے تسلی بخش جواب حضرت زَرتشت کے ذریعہ حاصل کریں۔ چنانچہ دونو کی ملاقات ہوئی۔ آپس میں تبادلہ خیالات اور سوال وجواب ہوئے۔ حضرت زرتشت نے اوستا (زرتشتیوں کی مذہبی کتاب) کا ایک باب پڑھ کر بیاس جی کو سنایا۔ جس سے کامل تشفی اور اطمینان قلب نصیب ہوا۔ تب وہ ہندوستان کی طرف واپس لوٹے اور زَرتشی مذاہب کے ماننے والوں میں ہو گئے۔

جب خود ویدوں کے مولف اور مدوّن کا یہ حال ہو۔ تو اوروں کا کیا ذکر ہے اور اِس کتاب کو کیا فلاح نصیب ہوسکتی ہے۔ جس کا مؤلف ہی اس سے بیزار ہو جائے۔

وید بیاس کے زَرتشتی ہو جانے کا ثبوت پارسیوں کی کتاب دَساتیر صفحہ 191 سے ملتا ہے۔ اس کتاب کا ایک باب نامہ وخشورزَرتشت ہے۔ اس میں ذیل کی عبارت ملاحظہ ہو۔

”اکنوں برھمنے بیاس نام از هند آید بس داتا که برزمین کم کس چناں است چوں ایں آیه براُ وخوانی .راست کیش شودو از هم آئینان تو گردد‘

یعنی (اے زرتشت) اب بیاس نام ایک برہمن تیرے پاس ہند سے آئے گا۔ وہ بہت دانا اور عالم ہے۔ اس جیسے زمین پر بہت کم آدمی ہیں۔ جب یہ آیت تو اس کو پڑھ کر سنائیگا۔ تو سچے مذہب والا اور تیرا ہم آئین (ہم مذاہب) ہو جائے گا

بدھ مت کا دور

چھٹی صدی قبل از مسیح میں گوتم بدھ کا ظہور ہوا۔ جس کی پاک تعلیم کی بدولت سچے مذہب یعنی بدھ مت کو دن دونی رات چوگنی ترقی نصیب ہوئی۔ خدا نے نبوت کے ساتھ بدھوں کو حکومت بھی ایسی بخشی کہ نہ اس

سے پہلے کسی راجہ مہاراجہ کونصیب ہوئی تھی۔اور نہ اس کے بعد کسی ہندوراجہ کونصیب ہوئی۔ ہماری مراد مہاراجہ چندر گپت اور اَشوک کی سلطنت سے ہے۔ایسے شاندار اور بااقبال زمانہ کے اندر ویدوں کی جو حالت ہوئی۔ وہ یہ تھی کہ بدھ لوگ ویدوں کو قابل نفرت سمجھ کر پاؤں تلے روندتے تھے اور جس رنگ میں ممکن تھا۔انہوں نے ان کے فنا کرنے کی کوشش کی۔نتیجہ یہ کہ لوگ وَیدوں کی تعلیمات کو کلی طور پر بھول گئے۔اور ویدوں کا صرف نام ہی نام رہ گیا۔

اسلام کا زمانہ

بدھ مت کے زوال کے بعد جب اسلام ہندوستان میں پہنچا۔تو ہندوستانیوں کی آنکھیں توحید کے نور سے از سر نو منور ہوئیں۔

چنانچہ شنکر آچاریہ کبیر صاحب اور باوانانک جیسے موحد پیدا ہوئے تھے۔جنہوں نے اپنے پرچار سے ہندو قوم میں توحید پھیلائی اور از سرِ نو لوگ ایک سچے خدا کے نام سے واقف ہوئے اور ہزاروں ہندوؤں نے ہندو مذہب چھوڑ کر اسلام کی شرن (پناہ) لی۔مذکورہ بالا مہاتما پرشوں نے کبھی اپنے پرچار میں وید کا نام نہیں لیا۔بلکہ اس کے خلاف کہتے رہے۔چنانچہ باوانانک علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

پڑھ پڑھ پنڈت منی تھکے، ویدوں کار بھیاس
ہرنام چت نہ آیوئ نہہ نج گھر ہورے داس

یعنی پنڈت اور منی سب ویدوں کو غور سے پڑھ پڑھ کر تھک گئے ہیں لیکن اس وَید خوانی سے نہ ان کے دلوں میں خدا کا نام بسا اور نہ وہ خدا کا قرب حاصل کر سکے

شہنشاہ اکبر کے زمانہ میں تلسی داس جی گذرے ہیں۔جو ہندی رامائن کے مصنف ہیں اور ہندوؤں میں ان کو بہت بڑی عزت حاصل ہے وہ وَیدوں کے بارے میں یوں فرماتے ہیں ؎

چرت سندھ گرجا رمن وَید نہ پاویں پار
برتوں تلسی داس کم ۔ات مت مند گوار

یعنی شیو جی اور پاربتی کی اونچی شان کو وَید بیان نہیں کر سکتے۔پھر تلسی داس جیسا کم رتبہ شخص ان کی تعریف کیسے کر سکتا ہے۔یہ وَیدوں کی ہجو ملیح ہے۔تلسی داس کے خیال میں جس کتاب میں شیو جی اور پاربتی

جی کی تعریف مذکور نہیں وہ کتاب ہی کیا ہے؟اور حقیقت یہ ہے کہ فی الواقعہ وَیدوں میں شیو جی (حضرت آدم) اور پاربتی جی (حضرت حوّا) کا ذکر نہیں۔

(روزنامہ الفضل 8 جنوری 1939ء)

☆☆☆

کیا موجودہ وید ایشوری گیان ہیں (2)

آریہ سماج اور وید

اب ذرا اپنے زمانے میں آجایئے اوروں کو جانے دیجئے۔ آریہ سماجیوں کو ہی لے لیجئے۔ اور دیکھئے۔ کہ ویدوں کے متعلق وہ کیا فرماتے ہیں۔

پنڈت دیو پرکاش جی فرماتے ہیں

1- میرا دعویٰ یہ ہے کہ 99 فی صدی آریہ سماجی بھی وید کو اس لئے الہامی تصور نہیں کرتے کہ انہوں نے وید کا سوادھیائے (مطالعہ) کر کے ایسا نِشچہ (یقین) کرلیا ہے بلکہ یہ خیال کام کرتا آرہا ہے کہ وید ایشوری گیان ہے اور چونکہ مسلمان قرآن کو ایشوری گیان مانتے ہیں۔ اس لئے آریہ سماجی بھی وید کو ایشوری گیان کہتے آتے ہیں۔ آریہ سماج نے ایک تُرک (دلیل) کا کھایہ پکڑ کر سب مناتروں کے عقائد کی چھان بین کی لیکن جب وہی تُرک کا کلہاڑ: آریہ سماج نے اپنے اوپر چلایا۔ تو ایک زبردست ہیجان پیدا ہو رہا ہے۔ میرا یہ خیال ہے کہ تُرک (دلیل) سے وید کو ایشوری گیان سدھ نہیں کیا جا سکتا۔''

(اخبار آریہ دیر لاہور 28 جون 1931ء)

پنڈت انبا پرشاد صاحب شاستری لکھتے ہیں

2- جس طرح بغیر زہر کے سانپ کی حالت ہوتی ہے۔ اسی طرح آج کل وید زہر وہت اور مرے ہوئے سمان (مانند) ہیں۔''

(آریہ گزٹ کارشی نمبر 14 فروری 1931ء)

پنڈت دھجا رام جی وَید پٹیالہ نواسی پردھانی آریہ سماج لکھتے ہیں

3- جو لوگ ویدوں کو بغیر پڑھے ان پر بڑی شردھار کھتے ہیں اور انہیں ساری ودیاؤں یا ودیاؤں کا بھنڈار اور ایشوری گیان مانتے ہیں۔ وہی لوگ جب کسی بھاشکار (مفسّر وید) کے شبدوں (الفاظ) میں ویدوں کا مطالعہ کرتے ہیں۔ تو ساری ودیاؤں کا بھنڈار یا ایشوری گیان ماننا تو درکنار۔ دگیان (جہل)

کا پستک ماننے سے بھی انکار کر دیتے ہیں ......وقت آ رہا ہے کہ لوگ وید ایشوری گیان ہے' کے شور کو محض بے ہودہ اور فضول سمجھیں گے۔......(بلکہ) سنے سنائے۔اندھ پرم پر یا اندھی شر دھا سے' وید ایشوری گیان ہے' اس برہم وا کیہ (کلام اللہ) پر ایمان لانے کا وقت گذر چکا ہے۔وہ اب واپس نہیں آئے گا۔آج سے اڑھائی ہزار برس پہلے جن بدھوں نے کہا تھا۔کہ ''ترے وید سیّہ کرتا را بھانڈ۔دھورت نشا چرہ''

(ماہوار اخبار ''امرت'' کراچی ستمبر 1930ء)

اور تو اور خود سوامی دیانند جی مہاراج بانی آریہ سماج نے بھی تو صرف مصلحت کی بناء پر ویدوں کو الہامی کہہ کر تحریک چلائی تھی ورنہ دِل سے تو وہ ویدوں کو الہامی یا ایشوری گیان نہیں مانتے تھے۔ذیل میں راؤ بہادر بھولا ناتھ جی پریذیڈنٹ پرارتھنا سماج احمد آباد اور سوامی دیانند جی مہاراج کی وہ گفتگو درج کی جاتی ہے۔جو 1874ء میں دونوں صاحبوں کے درمیان ایک پرائیویٹ ملاقات کے دوران میں ہوئی۔جس سے سوامی جن کا دلی عقیدہ وَیدوں کے متعلق اظہر من الشّمس ہے۔

بھولا ناتھ جی

(ہندی عبارت) سوامی جی۔آپ وید کو اِیشور پرنیت بتانے کا پرتین کرتے ہو۔سو بدھی مان لوک کے سامنے تو دِیرتھ ہے۔

(اردو ترجمہ) ''سوامی جی آپ دعویٰ کرتے ہیں کہ وید اِیشور کا کلام ہے سو عقلمند لوگوں کے سامنے تو یہ بات بے معنی ہے''۔

سوامی جی

(ہندی عبارت) اے سب بات تو سچ ہے، پرنتو بھولا ناتھ جی۔ایسے سمجھائے سوائے لوگ سب اپنی سنگ کیسے آنے والے؟ اور اپنی گاڑی چلے کیسی؟''

(اردو ترجمہ) یہ سب بات تو سچ ہے۔لیکن بھولا ناتھ جی۔ایسا سمجھائے بغیر سب لوگ ہمارے ساتھ کیسے شامل ہونگے اور اپنی گاڑی کیسے چلے؟

(سوانح عمر راؤ بہادر بھولا ناتھ کا گجراتی حصہ صفحہ 118-117 ماخوذ از کتاب سوامی دیانند اور ان کی تعلیم صفحہ 242 مطبوعہ (جیّد برقی پریس۔بلیماران دہلی 1932ء طبع اول)

اس مضمون پر بہت کچھ مزید لکھا جا سکتا ہے۔لیکن بخوف طوالت یہیں ختم کرتا ہوں۔خلاصہ مضمون یہ کہ سری کرشن کے زمانہ کے بعد آج تک ویدوں کو عام طور پر اِیشوری گیان نہیں سمجھا گیا۔بلکہ بقول پنڈت دھجارام جی وَیدوں دگیان (جہل) کا پُستک بھی نہیں سمجھا جا سکتا۔چہ جائیکہ ودیاؤں کا بھنڈار انہیں تسلیم کیا جائے۔

ویدوں کی تعداد

علاوہ ازیں وَیدوں سے جو کچھ باقی ہے۔وہ بھی اختلافات سے بھرا پڑا ہے یعنی کوئی وَید بھی اپنی اصلی حالت میں موجود نہیں۔معانی کا اختلاف تو الگ رہا ظاہری عبارتوں کے اختلافات کی یہ کیفیت ہے کہ تین ویدوں کی بجائے اب 1131 وید پائے جاتے ہیں۔چنانچہ مہاتما پتنجلی (پتن جلی) نے اپنے مہا بھاشیہ کی میں ویدوں 1131 شاکھائیں (شاخیں) بتلائی ہیں مہا بھاشیہ کی اصل عبارت یہ ہے

''ایک ششم ادھور یوشاکھا سہسر درتما (سام دید)۔ایک ونشی دھارارچیم نو دھا اتھرون ویدہ''

(مہابھاشیہ ۲ پتن جلی یسپ شاننک)

یعنی 101 شاخیں یجر وید کی ہیں 1000 طرح کا سام وید 21 طرح رگ وید اور 9 طرح کا اتھر و وید ہے۔

ویدوں کے مصنفین

ویدوں کے بے شمار اور ایک دوسرے سے مختلف نسخوں کے خیال کو چھوڑ کر جب ہم ان کے مصنفوں کی طرف دھیان کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ایک ایک وید کے مصنف بیسیوں کی تعداد تک پہنچتے ہیں۔چنانچہ لکھا ہے کہ

(الف) رگ وید میں 90 شعراء کا کلام درج ہے۔

(ب) یجر وید کے مصنفوں کی تعداد 200 تک پہنچتی ہے۔

(ج) سام وید اور اتھر وید کا حال ان سے بدتر ہے۔

وَید منتروں کا بنانا ایک شُغل اور دِل لگی تھی۔خاندانوں کے خاندان یہی کام ثواب سمجھ کر کرتے تھے۔ہمارے آریہ سماجی دوست تو کہتے ہیں کہ چاروں وید چار رشیوں۔آدتیہ۔انگرہ۔اگنی۔وایو کے آتماؤں میں

الہام کئے گئے تھے۔لیکن حقیقت یہ ہے کہ اکیلے انگرہ رشی کے خاندان کے لوگوں نے ہزاروں منتر (شعر) کہہ ڈالے لکھنے پڑھنے کا تو رواج ہی نہ تھا۔زبانی بات تھی۔منتروں کا بنانا کہاں کی مشکل بات تھی آج کل بھی دیہاتی لوگ گیتوں راگوں کی کتابیں تصنیف کر دیتے ہیں۔حالانکہ حرف بھی پڑھے ہوئے نہیں ہوتے۔

الہامی وید کونسا تھا؟

پس الہامی وید وہ تھا جو برہما پر نازل ہوا تھا۔جب کہ پتنجلی (پتن جلی) نے سوتر 26 یوگ ساستر کی تشریح میں بیان کیا ہے۔سو وہ ہزاروں سال سے کسی جگہ دنیا میں موجود نہیں۔ بلکہ تورات کے نزول سے پیشتر ہی وہ مفقود ہو گیا تھا۔اسی کو قرآن نے صحفِ ابراہیم کا نام دیا ہے۔انسانوں کے بنائے ہوئے منتر الہامی منتر نہیں ہو سکتے

اسی لئے ڈھائی ہزار سال کے اندر کسی نبی اوتار یا سچے رشی یا ملہم نے موجودہ وَیدوں کو اِیشوری گیان تسلیم نہیں کیا۔اور کسی زمانے میں بھی ان ویدوں کی قبولیت نصیب نہیں ہوئی۔ بلکہ ڈیڑھ ہزار سال تک تو ان کا نشان بھی دُنیا سے گم ہو گیا تھا لیکن کسی برہمن کے پاس چند نسخے ویدوں کے رہ گئے۔ان کی نقلیں کر کر کے موجودہ ویدوں نے از سرِ نو جنم پایا ہے۔پس ثابت ہوا کہ ان ویدوں کو الہام سے دُور کی بھی نسبت نہیں اور اسی لئے ڈھائی ہزار سال کے عرصہ میں کسی نے ان کو روحانی رہبر تسلیم نہیں کیا۔

(روزنامہ الفضل 11 جنوری 1939ء)

آئمہ سابقین اور حضرت مسیح موعود میں امتیاز

حضرت محمد مصطفےٰﷺ کے بعد حسب وعدہ الٰہی اس امت میں تجدید دین کی غرض سے بیسیوں امام اور مجدد وقتاً فوقتاً معبوث ہوتے رہے۔ لیکن مسیح موعود کے مقام اور درجے کو کوئی نہیں پہنچا۔ اور پہنچ ہی کیونکر سکتا تھا۔ جبکہ یہ اَمر مسلم ہے کہ مسیح موعود اس اُمت کا آخری خلیفہ اور آخری امام ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت رسول کریمﷺ کے بعد ولایت کو درجہ اصول اِرتقاء کے ماتحت صدی بہ صدی بلند ہوتا چلا گیا۔ چنانچہ چوتھی صدی میں جو اولیاء اور مجدّد دین اور علماء ربانی اُمت میں موجود تھے۔ ان کا درجہ ولایت ابتدائی تین صدیوں کے علماء اور اولیاء سے اَز روئے کشف وکرامت وعرفان الٰہی بڑھا ہوا تھا۔ اس طرح تاریخ کے اوراق شہادت دیتے ہیں کہ ساتویں صدی کے اولیاء اور مجدّد دین پچھلے تمام اولیاء ومجدّد دین سے بڑھے ہوئے تھے۔ اسی صدی میں حضرت سید عبدالقادر جیلانی، حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی، حضرت محی الدین ابن عربی، حضرت ابن تیمیہ حنبلی۔ حضرت حافظ ابن القیم جوزی وغیرہ **هم من العلماء والمجددين و المحدثين** ایسے نامی گرامی وعالی مرتبت اور اقلیم روحانیت کے بادشاہ گذرے ہیں کہ ہمیشہ اسلام ان کے ناموں اور ان کے کاموں پر فخر کرتا رہے گا۔

اس بعد گیارھویں صدی آئی اور اس میں ایک عظیم الشان مجدّد اور امام وقت کا ظہور اسی ہندوستان میں ہوا۔ انہوں نے اس قدر زور شور سے مجدّد اور امام ہونے کا دعویٰ کیا کہ اپنے تئیں تمام سابقہ مجدّد دین سے برتر اور اعلیٰ قرار دیا۔ اپنے درجے کو ہر مجدّد صدی سے دو چند بتلایا۔ اور اس پر دلیل یہ دی کہ میں الف (ہزار سال) کا مجدّد ہوں۔ اور الف ثانی کے آغاز میں مبعوث ہوا ہوں۔ مجھ سے پہلے جتنے مجدّد تھے وہ صدی کے مجدّد تھے۔ اس لئے مجھے ان پر اتنی ہی فضیلت ہے جتنی کہ سو کو دس پر ہوتی ہے۔ یہ مجدّد صاحب شیخ احمد سرہندی کے نام سے اسلامی دنیا میں مشہور ہیں۔ ان کا زمانہ گیارھویں صدی سے تیرھویں صدی ہجری کے اختتام تک ممتد رہا حتیٰ کہ چودھویں صدی کے سر پر یعنی 1876ء میں حضرت مرزا غلام احمد قادیانی چودھویں صدی ہجری کے مجدّد اور آدم صفی اللہ کے زمانہ سے شمار کر کے الف ہفتم کے اَمام کا ظہور ہوا۔ انہیں خدا تعالیٰ

نے مسیح موعود اور جَرِیُّ اللّٰہِ فِیْ حُلَلِ الأنبیاء کا مقام اور منصب بخشا اور ان کا زمانہ الف ہفتم کے اختتام تک لمبا کر دیا۔ یا دوسرے الفاظ میں یوں کہو کہ قیامت تک ان کا زمانہ ممتد کر دیا اور درجے کے لحاظ سے ان کو ایک امتیازی حیثیت بخشی جو کہ پہلے کسی بڑے سے بڑے مجدّد اور امام کو نہ بخشی گئی تھی۔ یعنی انہیں مقام نبوت پر سرفراز فرمایا۔ ذَلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَن یَشَاءُ وَاللّٰہُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ (سورۃ الجمعۃ5)

مذکورہ بالا بیان سے ہر زیرک اور تاریخ دان مسلمان سمجھ سکتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام یعنی چودھویں صدی کے امام پر جو لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ کیوں انہوں نے مقام نبوت پر پہنچنے کا دعویٰ کیا۔ وہ کس قدر کم فہم ہیں جبکہ تاریخ سے یہ بات ثابت شدہ ہے کہ اُمت محمدیہ کو اصول ارتقاء (Evolution) کے ماتحت ترقی پر ترقی ملتی رہی تو پھر چودھویں صدی کا مجدّد جو سب سے آخر میں آیا وہ اپنے پیشرووٴں سے اعلیٰ اور افضل کیوں نہ ہوتا۔ اور افضیلت اسے تبھی حاصل ہو سکتی تھی کہ وہ اس درجے اور انعام کو حاصل کرتا جو آج تک امت محمدؐیہ کے کسی سابقہ مجدّد یا امام کو نہ ملا تھا یعنی مقامِ نبوّت۔

یاد رہے کہ نبوّت سے مراد یہ نہیں کہ نبوت کے مقام پر پہنچے والا شخص کوئی احکام شرعیہ کی کتاب لے کر آئے۔ کیونکہ ایسی نبوّت رسول کریم ﷺ کے بعد مسدود ہے اور نہ یہ مراد ہے کہ کوئی شخص اپنی سعی یا کوشش سے بغیر توسّط تعلیم قرآنی نبی بن جائے۔ کیونکہ ایسی نبوّت بھی جو کہ ایک مستقل حیثیت رکھتی ہے۔ اب کسی کو مل نہیں سکتی بلکہ صرف یہ مراد ہے کہ اسلام کے اندر مقام نبوّت پر پہنچنے والے شخص کو مکالمہ ومخاطبہ الٰہیہ سے جس میں اخبارِ غیبیّہ بکثرت ہوں حصہِ وافر دیا جاتا ہے۔ اور نبوّت کے لغوی معنے بھی غیب کی خبریں دینا ہے۔

چونکہ یہ درجہ بجز اَنبیاء کے آج تک کسی کو حاصل نہیں ہوا۔ اور حضرت مرزا غلام احمد صاحب علیہ الصلوٰۃ والسلام اسی درجہ پر فائز تھے۔ جیسا کہ آپ کے الہامات اور وحیوں اور نشانات سے ثابت ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ آپ کو نبی سمجھا جائے۔

(مطبوعہ اخبار الفضل ۱۳ ستمبر ۱۹۳۲ء)

سلاطین تیموریہ ایرانی تھے یا مغل

عام طور سے تو یہی مشہور ہے کہ سلاطین تیموریہ جنہوں نے سو سال سے زیادہ ایران میں اوراڑھائی سو سال سے زیادہ ہندوستان میں حکومت کی مغل تھے اوراسی لئے ان کی سلطنت کو بعض اوقات سلطنت مغلیہ کہا جاتا ہے۔لیکن حقیقت یہ ہے کہ سلاطین مغل نہ تھے۔ بلکہ ایرانی اور فارسی الاصل تھے۔

تیمور از روئے نسب کون تھا؟

اس حقیقت کو سمجھنے کے لئے سب سے اوّل ہمیں یہ دیکھنا ہوگا کہ تیمور کون تھا آیا تاتاری تھا یا کسی اورنسل سے؟ تیمور کے نسب کے متعلق بہت سے لوگوں نے دھوکا کھایا ہے۔بعض نے یہاں تک کہہ دیا کہ تیمور چنگیزی مغل تھا۔تاریخی واقفیت نے اِن کو کہاں سے کہاں تک پہنچا دیا۔تاریخ سے صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ تیمور کا دادا چغتائی خان پسرِ چنگیز خان کا وزیر تھا۔اور یہ بات بھی ثابت ہے کہ تیموری خاندان کے بعض افراد نے چنگیزی مغلوں میں شادی کی تھی۔لیکن اتنی بات سے یہ کیونکر ثابت ہوا۔کہ وہ چنگیزی مغلوں کی اولاد سے تھا۔سوال کیا جائے گا کہ پھر یہ خیال کہاں سے پیدا ہوااور کیوں تیموریوں کو مغل کہنے لگےاس کا جواب یہ ہے کہ جب کسی قوم کے اقبال کے دن ہوتے ہیں اوران میں بادشاہی آجاتی ہے۔تو پھراس کی اصلیت کو کوئی نہیں دیکھتا۔نادرشاہ ایک ادنیٰ خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔اورعوام میں نادرقُلی کے نام سے مشہور تھا۔لیکن بادشاہ ہوکر نادرشاہ بنا۔اور جب دلی والوں نے خطبہ نکاح کے جواب میں اس کے نسب کے متعلق سوال کیا۔ تو اس نے جواب دیا کہ لڑکی والوں سے کہہ دو کہ نادرشاہ پسرِ شمشیر پسرِ شمشیر پسرِ شمشیر اسی طرح ستر پشتوں تک شمار کرتے جاؤ۔

مغلوں نے کس طرح ترقی کی

مغل ایک قوم تھی جو کسی شائستہ تمدن وتہذیب کی مالک نہ تھی۔خدا جو ربّ العالمین ہے اُس نے اِس قوم پر فضل کیا۔اور عصمت مآب حضرت آنقرا کے بطن سے چنگیز خاں جیسا عالی مرتبت اور سپہرِ شکوہ فرزند پیدا

ہوا۔اس کے اقبال کا ستارہ ایسا درخشاں ہوا کہ تھوڑے ہی عرصے میں مغل قوم نے چنگیز خاں کی سرگردگی میں ایشیاءاور یورپ کی بڑی بڑی مملکتوں کی بنیادی ہلادیں۔توران،ایران،افغانستان روس وغیرہ ممالک یکے بعد دیگرے مغلوب کرلئے۔اس کے مرنے پر اس وسیع سلطنت پر اس کے بیٹے حکمران ہوئے۔کچھ مدت کے بعد اسکے پوتے ہلاکو خاں نے بغداد کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔اور لاکھوں مسلمان قتل ہوئے چونکہ تیمور کے دادا کو چغتائی خاں پسر چنگیز خان حاکم تُوران (ماوراءالنہر) کے دربان میں بہت کچھ رسوخ حاصل تھااور مغلوں کی قوم ہی سے مناکحت کے تعلقات بھی تھے۔لہٰذا آنے والی نسلوں نے غلطی سے تیمور کو چنگیز خان یا چغتائی خاں کی اولاد سمجھ لیا۔حالانکہ یہ بات اصلیّت سے کوسوں دور ہے۔تیمور کے آباءاصل میں فارس کے باشندے تھے۔مغلوں کے حملوں کیوجہ سے اور ملکوں کی طرح ایران میں بھی ایک انقلاب عظیم برپا ہوا۔سینکڑوں قدیم خاندان تباہ ہوگئے۔اور بیسیوں خاندانوں نے اُجڑ کر دوسرے ممالک میں پناہ لی۔تیمور کے آباؤ اَجداد فارس سے اُٹھ کر تُوران میں آگئے۔قسمت نے یاوری کی تیمور کے دادا کو بوجہ لیاقت علمی اور شرافت نسبی کے چغتائی خاں کے دربار میں اعلیٰ منصب ملا۔اور پھر ترقی کرتے کرتے وہ عہدہ وزارت پر فائز ہوگیا۔تیمور کو اس وقت کے مغل حکمران نے شہر کش کا حاکم مقرر کردیا۔(بعضوں نے کش کا نام شہر سبز لکھا ہے)چنگیز خاں کی اولاد روز بروز کمزور ہوتی جارہی تھی۔تیمور نے موقع کو غنیمت جان کو تُوران کی ریاستوں کو یکے بعد دیگرے فتح کرنا شروع کیا۔اور جب سارا تُوران اس کے قبضے میں آگیا۔تو اس نے اُولوالعزمی سے کام لے کر چنگیز خاں کی تقلید میں تمام ایشیائی ممالک کی فتح پر کمر باندھی اور آخر کار اس ارادے میں کامیاب ہوا۔

تیموریوں کے فارسی الاصل ہونے پر علمی دلائل

اب میں وہ علمی دلائل پیش کرتا ہوں جن سے تیمور اور اس کی ذُریّت کا فارسی الاصل ہونا اظھر من الشمس ہے۔

(ا) تیمور اور اس کے چچا حاجی برلاس کی اولاد قدیم الایام سے مرزا کے لقب سے ملقّب رہی ہے اور مرزا ابدی طور سے فارسی ناموں کا جزء رہا۔اور بجز فارسیوں یا ایرانیوں کے اور کسی قوم نے اپنے لئے مرزا کا لقب اختیار نہیں کیا۔ہندوستان میں جو اکثر مغل مرزا کہلاتے ہیں۔اس کی دو وجوہات ہیں۔

(ا)چونکہ سلاطین تیموریہ اور ان کے خاندان کے اکثر افراد مرزا کہلاتے تھے۔اس لئے مرزا کہلانا ایک

فیشن ہوگیا۔خصوصاً مغل جوصدیوں سے تیموری خاندان کے ساتھ بیاہ کا تعلق رکھتے تھے۔انہوں نے مرزا کے لقب میں اپنی عزت دیکھی اور اسے فخریہ طور پر اپنے ناموں کا جزو بنایا۔

(۲) تیموری بادشاہوں نے بعض خاندانوں کو خود مرزا کا لقب عطا کیا چنانچہ مغلوں کے علاوہ اور قوموں کے بعض افراد نے بھی یہی خطاب پایا۔مثال کے طور راجوری (واقعہ کشمیر) کا خاندان پیش کیا جاسکتا ہے چونکہ شہنشاہ اورنگ زیب کی شادی اس خاندان کی ایک خاتون کے ساتھ ہوئی تھی۔اور بہادر شاہ عرف عالم اوّل اسی کے بطن سے تھا۔لہٰذا اس خاندان کے تمام افراد آج تک مرزا کہلاتے ہیں اسی طرح شہنشاہ اورنگ زیب کے عہد میں مہاراجہ جے سنگھ والئے جے پور کو میرزا راجہ کا خطاب عطا ہوا تھا۔حالانکہ وہ ہندو تھا۔

پس جبکہ راجپوت اپنے تئیں مرزا کہلا سکتے تھے۔تو مغلوں کو مرزا کہلانا بہت زیادہ آسان تھا۔کیونکہ ان کے تعلقات تیموری خاندان کے ساتھ کئی صدیوں سے چلے آتے تھے۔

مغلوں کا اصل لقب خان تھا۔جیسے چغتائی خاں، ہلاکو خان ارغون خان وغیرہ وغیرہ۔لیکن ہندوستان میں مغلوں میں بلا استثناء فیشن کے طور پر اپنے تئیں مرزا کہلانا پسند کیا۔اور یہ سکّہ ان کا چل گیا۔ورنہ اصل میں تو اس لقب کے مستحق تیموری اور برلاسی ہی تھے۔

اوّل ایرانی مغلوں میں جذب ہوتے چلے گئے۔پھر جب مغلوں کا زور گھٹ گیا۔اور ایرانیوں یعنی تیموریوں کا غلبہ ہوا۔تو مغلوں نے اپنے تئیں تیموریوں میں جذب کرنے کی کوشش کی۔آخر کار دونوں قومیں آپس میں ایسی گھل مل گئیں کہ سطحی نظر ان میں تمیز نہیں کرسکتی۔ہندو قوم نے تب مسلمانوں کو ترکوں کا خطاب دیا۔کیونکہ وہ ان باریکیوں کو سمجھ نہ سکتی تھی۔چنانچہ سکھوں کے گرنتھ میں بھی مسلمانوں کو تُرک ہی کہا گیا ہے۔گورو گوبند سنگھ نے خالصہ قوم کو وصیت کی۔کہ تُرک کا اعتبار نہ کرنا

(۳) سلاطین تیموریہ کی قدرت نے ایک خاص علمی دماغ بخشا تھا۔اور اس قسم کی دماغی طاقتیں اور قویٰ بجز آریہ نسل کے کسی اور قوم میں نہیں پائے گئے۔توزکِ تیموری توزکِ بابری،توزکِ جہانگیری، رقعاتِ عالمگیری اور داراشکوہ کی علمی تصانیف اس پر شاہد ہیں۔علاوہ ازیں اس خاندان کے جملہ افراد از قسم ذکور واُناث نے سخن فہمی اور سخنوری کے لطیف جوہر کو وراثت میں پایا تھا۔یہ اَمر بالبداہت اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ خاندانی فارسی الاصل تھا نہ کہ مغل۔کیونکہ مغل قوم فطری طور سے کند ذہن واقع ہوئی

تھی۔اس قوم نے کوئی بڑا سخن ور ادیب پیدا نہیں کیا۔ جو اس کیلئے سرمایہ ناز ہو سکے۔ بلکہ انتظام سلطنت اور سیاسی تمدن کیلئے بھی وہ ایرانیوں اور فارسیوں کے محتاج تھے۔ یہی وجہ تھی کہ تیمور کے دادا کو چغتائی خاں نے وزارت کے عہدے پر سرفراز کیا تھا۔ اگر تیمور کے آباؤ اجداد علمی قابلیت اور ذہانت اور معاملہ فہمی کے جوہر سے بہرہ ور نہ ہوتے تو مغلوں کے دربار میں اعلیٰ عہدوں پر کبھی متمکن نہ ہوتے۔

(۴) تیموریوں کے مغل نہ ہونے کا ایک زبردست ثبوت یہ بھی ہے۔ کہ انہوں نے کبھی اپنے تیئں مغل یا تاتاری نہیں کہا اور نہ کسی تُوزک میں اس کا تذکرہ پایا جاتا ہے۔

(۵) اکبر کا راجپوتوں کے ساتھ نیک سلوک اور راجپوت شہزادیوں کے ساتھ نکاح کرنا اس فطری مناسبت کو ثابت کرتا ہے۔ جو اَز روئے نسب تیموریوں کو راجپوتوں کے ساتھ تھی۔

(۶) بعض انگریزی مؤرخوں نے بابر کو بجائے مغل کے تُرک لکھا ہے وہ کہتے ہیں کہ ''سلطنت مغلیہ ہندو کو سلطنت ترکیہ کہنا زیادہ موزوں ہے۔ مگر ہندوستان میں یہ دستور ہو گیا تھا کہ جو قومیں ماوراءالنہر یعنی تُوران سے آکر ہندوستان پر حملہ آور ہوتی تھیں۔ ہندوستان ان کو مغل کہہ کر پکارتے تھے۔ چونکہ بابر تُوران کی ریاست فرغانہ سے ہند میں آیا اس لئے ہندوستان میں بابر کی اولاد مغل مشہور ہو گئی۔''

میں کہتا ہوں کہ تُرک بھی اصل آریہ ہیں۔ جب ایران کے آریوں کی شادیاں مغلوں کے ساتھ ہو گئیں۔ تو ایک نئی قوم پیدا ہو گئی جو تُرک کہلائی اس لئے اگر تیموری بابر کو تُرک ہی سمجھا گیا۔ اور یہی مقصود تھا۔ نسب باپ کی طرف سے منسوب ہوتا ہے نہ کہ دادیوں اور نانیوں کی طرف سے۔

(اخبار الفضل ۱۴ جولائی ۱۹۳۲ء)

ہندو کب سے ہندو بنے اور کیوں؟

کیا ہی بدنصیب وہ قوم ہے جس کی کوئی تاریخ نہ ہو۔ اور اگر کچھ ہو بھی تو وہ ازسرتاپا خزینۃ القصص ہو۔ یہ حال بجنسہ اس قوم کا ہے۔ جیسے ہمارے ملک میں ہندو کہتے ہیں۔ اس کے پاس اپنی قدیم تاریخ تو درکنار جدید تاریخ بھی جس سے کم از کم ایک ہزار سال گذشتہ کے صحیح حالات معلوم ہو سکیں, موجود نہیں۔ اور یہ جو چند ہندو سور ماؤں کے حالات ہم کو معلوم ہیں یہ بھی مسلمانوں کے ہی طفیل ہیں ورنہ اس قوم کے بزرگوں نے کبھی اس اَمر کی ضرورت بھی محسوس نہیں کی کہ جو واقعات اُنہوں نے اپنی آنکھوں یا کانوں سنے اُن کو قلم بند کرتے۔ اِس غفلت کا نتیجہ یہ ہوا کہ اب ہندو قوم نے اپنے بزرگوں مثلاً راجہ رام چندر جی اور سری کرشن جی اور برہما اور شیو وغیرھُم کے متعلق وہ بے سروپا قصے جو مشہور کر دیئے ہیں، کوئی عقل مند بھی ان کی صحت پر یقین کرنے کے لئے تیار نہ ہوگا۔

بھلا دنیا میں کوئی ایسا آدمی ہوگا۔ جو اس بات کو باور کرے کہ آج سے ایک اَرب نو کروڑ سال پہلے ہندوستان میں یا بقول پنڈت دَیانند سرسوتی تبّت میں یا بقول پنڈت مدن موہن مالویہ قطب شمالی میں ویدوں کا نزول ہوا یعنی وید تصنیف ہوئے۔

پھر کوئی ایسا آدمی ہے۔ جو اس بات کو سچ جانے کہ راجہ رام چندر جی جو اَجودھیا کے ایک نیک اور راستی شعار راجہ گذرے ہیں۔ ان کا زمانہ آج سے 800000 سال پیشتر تھا۔ یا ملتان شہر تریتا جگ میں آباد تھا۔ برہما جی کے متعلق ان کی کتابوں میں لکھا ہے کہ وہ خالق کائنات ہیں۔ اور ان کے منہ سے چار وَید نکلے۔ شیو جی یا مہادیو کی لٹوں سے گنگا بہ نکلی۔

ہندو قوم اس بات کو تسلیم کرتی ہے۔ کہ مہابھارت کے جنگ کی بعد اس کا زوال شروع ہوا۔ اور آج تک وہ زمانہ زوال کا یا کلجگ کا ختم ہونے میں نہیں آیا اور نہ جلد اس کے خاتمے کے آثار نظر آتے ہیں۔ انہوں نے یہ حقیقت تو تسلیم کر لی کہ 3000 سال سے ان کا قدم زوال کی طرف جا رہا ہے۔ لیکن افسوس کبھی ٹھنڈے دل سے یہ نہ سوچا کہ آخر اس کا سبب کیا ہے؟

اصل بات یہ ہے ہندوستان میں کئی اَوتار(نبی) یا کئی پیغمبر آئے مگر ان کی قوم کے اکثر افراد نے ان سچائیوں کا انکار کیا جن کو لے کر وہ آئے تھے۔اوّل تو سری کرشنؑ جی کو ہی ماننے والے کتنے تھے، ہندواصحاب خود ہی سوچ لیں ۔پھر حضرت گوتم بدھ کی عظیم الشان اخلاقی تعلیم جو ایک دوصدیوں کے اندر سارے ہندوستان پر ابرِ رحمت کی طرح چھا گئی ۔اس پر ان کی زندگی میں ہندوقوم کے کتنے افراد ایمان لائے۔پس ہندواصحاب سوچیں ۔کیا وہ اِنہی منکروں کی اولاد نہیں۔جنہوں نے بدھ مذہب کی صداقت کا انکار کیا تھا اور کیا اسی انکار کی پاداش میں لفظ ہندو کے معنی چور۔ساحر سیاہ فام اور غلام قرار نہیں پائے گوتم بدھ کی آمد سے پیشتر بھی ان کے بزرگ ہندو کہلاتے تھے لیکن اس وقت ہندو کے معنی دریا کے کنارے رہنے والا''یعنی ایک مہذب اور آسودہ حال شخص تھا۔

پس ہندوؤں کو اس اَمر پر غور کرنا چاہیے کہ حضرت بدھ کی آمد کے وقت بھی ان کا لقب ہندو ہی تھا۔جیسا کہ آستر کی کتاب اور یونانی تصنیفات سے ثابت ہے۔مگر اس وقت ہندو کے معنی سندھو تھے۔یعنی دریا کے کنارے رہنے والا لیکن جب بُدھ مَت کا دور دورہ ہوا اور ہندوؤں ہی سے اکثر نے اس کی تعلیم کا انکار کیا۔تو اس کفر کی پاداش میں یہ قوم انعامات الٰہی سے محروم رہ کر ہندو کے دوسرے معنوں کے مصداق بن گئی ۔اور لفظ ہندو بمعنی چور۔بدمعاش سیاہ فام یا سیاہ کار اور غلام ،ایک عالم میں مشہور ہو گیا۔گلستان کا مشہور فقرہ''دو ھند واَز پسِ ٹیلہ سربَر آور دند '' اورنظامی کا مصرعہ ''چوھندوئے بازیگر گرم خیز '' اورخواجہ حافظ کا مصرعہ ''بخیالِ ھندواش بخشم سمر قند و بخارا را''اس اَمر کا ثبوت ہیں۔کہ آج سے اک ہزار سال پیشتر سے ہندوقوم کے اخلاق اوررُوحانیت کی کیا حالت تھی اور اس کی وجہ خدا کے پاک لوگوں کی مخالفت اور انکار تھی۔

اس مقام پر ہم روشن خیال ہندوؤں سے جن میں بڑے بڑے پروفیسر،مؤرخ،سائنسدان،مصنّف اور سیاست دان شامل ہیں ۔ایک سوال کئے بغیر نہیں رہ سکتے اور وہ یہ ہے کہ آپ کو اَپنے زوال کی اصلی وجہ جو ہم نے یہاں بیان کی ہے کیا اس سے قبل معلوم تھی ؟اور کیا آپ کو معلوم تھا کہ کیوں ہندو نام کے بہتر سے بدتر اور شریف سے رذیل معنی ہو گئے ۔یقیناً اس سے قبل آپ کو یہ بات معلوم نہ ہوگی کہ سری کرشن جی اور حضرت بدھ کی تعلیم کے انکار کی وجہ سے تغیّر ہوا۔ورنہ ہندو لفظ کوئی گندہ لفظ نہ تھا۔جب تک ہندوقوم کے اخلاق اچھے تھے۔ان کے لئے ہندو کا لفظ باعثِ افتخار تھا۔مگر جب وہ ایسے نہ رہے تو یہی ہندو نام ان کے لئے باعث صد

تنگ ہوگیا اور اب ایسا گلے کا رہار ہوگیا ہے کہ یہ آریہ مہاشوں خصوصاً پنڈت لیکھرام نے اس لفظ کے برخلاف صدائے احتجاج بلند کی اور مضمون بھی لکھے۔ لیکن اس میں ذرا بھر بھی کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ کلیات آریہ مسافر صفحہ 169-170 میں یہ دکھانے کی کوشش کی گئی ہے کہ ہندو نام کبھی ان کے بزرگوں کا اس ملک میں مشہور نہ تھا۔ یہ نام دوسروں نے رکھا ہے۔ ہم اس بات کو ایک منٹ کے لئے تسلیم کر لیتے ہیں کہ یہ نام خود انہوں نے اپنے لئے تجویز نہیں کیا بلکہ غیر اقوام نے یہ نام رکھا۔ لیکن اس سے بجز اس کے اور کچھ ثابت نہیں ہوتا کہ ہندو اس زمانے میں اس قدر پست، فطرت اور غلام سیرت تھے کہ دوسری قومیں جو نام بھی ان کا تجویز کرتی تھیں وہ خوش ہو کر وہی نام اپنے لئے پسند کر لیتے تھے۔

(الفضل ۱۸ جولائی ۱۹۲۷ء)

ویدوں کے متعلق ہندو اور آریہ سماجی

پنڈتوں کی آراء

اس مضمون میں موجودہ ویدوں کے بارے میں ہندو پنڈتوں کی آرائپیش کی جارہی ہیں تاکہ ویدوں کی حقیقت طشت اَز بام ہوجائے اور کسی کو یہ کہنے کی جرأت نہ ہو کہ وید الہامی کتابیں ہیں

1: خود رگوید اور شوتیاشوترا اپنشد کی شہادت یہ ہے کہ ''جو شخص اس اَمر (غیر فانی) اور اعلیٰ اور بَرتر ذات کو نہیں پہچانتا جو دُعاؤں کا سننے والا ہے اور جس کے اندر تمام دیوتا (ملائک) سمائے ہوئے ہیں۔ اس کو وید خاک فائدہ نہیں دے سکتے۔ شانتی انہی کو ہوتی ہے جو پَر ماتما پَر میشر کو جانتے ہیں۔''

(رگ وید منڈل ا۔ سوکت نمبر 164 منتر 39 اور شوتیا شوترا اپنیشد)

2: تلسی داس جی مصنف رَامائن فرماتے ہیں:۔

چرت سندھ گر جا ہن وید نہ پائیں پار

برتوں تلسی داس کم ات مت مند گوار (بال کانڈ)

اس شعر کا مطلب یہ ہے کہ شیو جی اور آپ کی دھرم پتنی پاربتی کی وہ شان ہے۔ کہ وید ان کی تعریف سے عاجز ہیں۔ پھر تلسی داس جیسا کم رتبہ شخص ان کی تعریف کیسے کرسکتا ہے۔

خلاصہ مطلب یہ کہ جس کتاب میں شیو جی اور پاربتی کے اوصاف مذکور نہیں۔ وہ کتاب کس کام کی؟ خدا تک پہنچنے کے لئے کسی درمیانی واسطہ کی ضرورت ہے۔

اور وید میں کسی نبی اور رسول اور وَحی والہام کا ذکر تک نہیں۔ لہٰذا وہ خدا تک نہیں پہنچا سکتی اور نہ اس کو خدا کے ساتھ کچھ تعلق ہے۔

3: ایک بنگالی فاضل لکھتے ہیں:۔

''بنگالی لوگ بڑی تعداد میں آریہ مذہب کو اس لئے قبول نہیں کرتے۔ کہ وہ ترقی یافتہ قوم ہے اور آریہ سماج کی ہدایت یہ ہے کہ پیچھے ہٹ کر ''ویدوں کی طرف چلو'' مگر بنگالیوں کا یہ حال ہے کہ وہ تعلیم میں اس قدر

آگے بڑھ گئے ہیں کہ اپنا قدم ہر لحظہ آگے بڑھانا چاہتے ہیں اور پیچھے ہٹنا نہیں چاہتے''۔

(آریہ گزٹ 21 فروری 1927ء)

4: لاہور کے ایک مشہور پنڈت کی رائے ہے کہ آریہ سماجیوں نے تمام مذاہب کے عقائد کی چھان بین دلائل کے کلہاڑے سے کی ۔لیکن جب وہی کلہاڑا خود سماج پر چلایا گیا تو آریہ سماج کے اندر تزلزل پیدا ہو گیا۔ میرا یہ وشواس ہے کہ دلیل کے ذریعہ وید کو الہامی کتاب یا ایشوری گیان ثابت نہیں کیا جا سکتا۔''

(پنڈت دیو پرکاش جی آریہ دیر 28 جون 1931ء)

5: پٹیالہ کے ایک فاضل پنڈت فرماتے ہیں

''ویدوں کے بارے میں جو لوگ تعظیم اور تکریم کے خیالات کا اظہار کرتے ہیں بجز ان کے مطالعہ کے نیز وہ لوگ جو ویدوں کو علوم ظاہری و باطنی ۔دُنیاوی اور رُوحانی کا بھنڈار سمجھتے ہیں۔ جب وہ ویدوں کو بعض مفسرین کی توضیح کی روشنی میں مطالعہ کرتے ہیں ۔تو ان کو یہ بھی مسلّم نہیں ہوتا کہ وہ ویدوں کو جہالت کی کتاب ہی تسلیم کریں۔ چہ جائیکہ ایشوری گیان کی کتاب......وہ وقت نزدیک ہے۔ جب لوگ ایسے مقولوں کو مثلاً ''وید الہامی کتاب یا ایشوری گیان ہے'' محض یاوہ گوئی سمجھیں گے''

(پنڈت دھجارام جی وَید پٹیالہ نواسی پریذیڈنٹ آریہ سماج پٹیالہ رسالہ اُمرت بابت ستمبر 1938ء)

6؛ پنڈت دیانند جی خود بھی وَیدوں کو اِیشوری گیان یا الہامی کتب نہ سمجھتے تھے بلکہ اُنہوں نے یہ عقیدہ بطور ایک توہّم گھڑا تھا اور بذریعہ پراپیگنڈا یہ خیال عام لوگوں میں خصوصاً نوجوانوں کے دلوں میں بٹھا دیا تا کہ اس ذریعہ سے ہندو قوم میں سیاسی بیداری پیدا کی جائے ۔اس کے ثبوت میں یہ دلچسپ کہانی سنیئے ۔بھولا ناتھ راؤ بہادر ایک اونچے خاندان کے شریف ہندو تھے۔ پہلے کسی سرکاری عہدہ پر مامور تھے۔ یہ صاحب گجرات میں سوشل ریفارم کا راستہ صاف کرنے والے تھے۔ احاطہ بمبئی میں ایک عالم و فاضل مصنّف مانے جاتے تھے اور بہت مشہور آدمی تھے۔ اخبار بمبئی گزٹ نے ان کو *Gujrat Worthy* یعنی گجرات کا لائق آدمی لقب دیا تھا۔ پراتھنا سماج احمد آباد کی بنیاد انہوں نے ڈالی تھی ۔پنڈت دَیانند اس بات پر مصر تھے۔ کہ اس سماج کا نام بجائے پراتھنا سماج کے بدل کر آریہ سماج رکھا جائے لیکن راؤ بہادر بھولا ناتھ اس کو تسلیم نہیں کرتے تھے۔ کیونکہ ان کو سوامی جی کے عقائد سے اختلاف تھا۔ وہ ویدوں کو الہامی کتاب قطعاً تسلیم نہ کرتے تھے۔ اُنہی کے ساتھ پنڈت دیانند جی کے مباحثات کا ذیل کے حوالہ میں ذکر ہے۔

احمد آباد میں پرارتھنا سماج مندر کی بنیاد ڈالنے سے ڈیڑھ سال پہلے بھی دسمبر 1874ء میں مشہور معروف سوامی دیانند سرسوتی احمد آباد پہنچے۔انہوں نے بہت سے لیکچر دیئے۔اور شاستروں اور پنڈتوں کے ساتھ بعض مسائل پر مباحثے کئے۔سوامی جی اور بھولا ناتھ جی کے درمیان چند مذہبی باتوں میں اختلاف تھا......سوامی جی کی بدھی تیز تھی۔اور وہ مذہب کے معاملہ میں مصلحت سے کام لیا کرتے تھے پَرارتھنا سماج ویدوں کو اِیشور کا الہام نہیں مانتے اور آریہ سماج مانتی ہے۔سوامی جی کو اس بات میں ہرگز تامّل نہ تھا کہ وَیدوں کی سند سے یعنی وَیدوں کا نام لے کر جس بات کو چاہیں ثابت کردیں......انکو تو بس یہی خیال تھا کہ کسی طرح پرارتھنا سماج کا نام بدل کر آریہ سماج ہوجائے اوران کو اس بات کے اعلان کا موقعہ مل جائے کہ احمد آباد میں آریہ سماج قائم ہوگئی ہے (سوامی جی فرماتے تھے کہ) نام کا کیا مضائقہ ہے۔ہم سب آریوں کو مناسب ہے کہ اس کا نام آریہ سماج رکھیں......لیکن ان کو کامیابی نہ ہوئی۔پَرارتھنا سماج چونکہ ایک ایماندار سوسائٹی ہے۔اس لئے وہ راستی کو اپنا بڑا راہنما سمجھتی ہے۔مگر آریہ سماجی اپنا مطلب نکالنے کیلئے اس بات کو صحیح اور جائز سمجھتے ہیں کہ موقعہ اور ضرورت کے مطابق جس قسم کے وسائل سے کام نکلتا دیکھیں اوران کو اختیار کرلیں خواہ وہ مسائل جائز ہوں یا ناجائز معقول ہوں یا غیر معقول۔اس کی ایک مثال نیچے درج کی جاتی ہے

ایک دفعہ بھولا ناتھ جی نے سوامی دیانند سے کہا۔سوامی جی آپ وید کو اِیشور پرتیت بتانے کا پرتین کرتے ہو۔سو بدھی مان لوگ کے سامنے تو وَیرتھ ہے یعنی سوامی جی آپ دعویٰ کرتے ہیں۔کہ وید ایشور کا کلام ہے۔سو عقلمندوں کے سامنے تو یہ بات بے معنی ہے۔اس پر سوامی جی نے فرمایا:۔اے سب بات تو سچ ہے۔پرنتو بھولا ناتھ جی ایسے سمجھائے سوائے لوگ سب اپنی سنگ کیسے آنے والے: اور اپنی گاڑی چلے کیسی؟ یعنی یہ سب بات تو سچ ہے لیکن بھولا ناتھ جی ایسا سمجھائے بغیر سب لوگ ہمارے ساتھ کیسے شامل ہوں گے۔اور اپنی گاڑی چلے کیسے؟

(ماخوذ از گجراتی سوانح عمری راؤ بہادر بھولا ناتھ صفحہ ۱۱۷، ۱۱۸ بحوالہ سوامی دیانند اوران کی تعلیم)

اگلے نمبر میں انشاء اللہ ہندوستان اور پنجاب کے دوسرے فاضلوں کی شہادتیں اسی بارہ میں درج کی جائیں گی۔قارئین خیال فرمائیں۔جن کتابوں کو خود آریہ سماج کے بانی اور دوسرے فاضل ایک منٹ کے لیے اِیشوری گیان تسلیم نہیں کرتے تو مسلمانوں پر کیا مصیبت پڑی ہے کہ وہ انہیں الہامی یقین کرلیں۔

(روزنامہ الفضل 22 مارچ 1946ء)

ویدوں کے الہامی ہونے کا عقیدہ

پنڈت دیانند جی نے مصلحتاً ایجاد کیا

بیسویں صدی اس لحاظ سے بڑی بابرکت صدی تھی۔ اس زمانہ میں خصوصاً صدی کے آخری حصہ میں ایک طرف تو مسلمانوں پر یہ فضل ہوا کہ ان میں وہ مسیح موعود اور مہدی موعود ظہور پذیر ہوا۔ جس نے مسلمانوں کی ڈوبتی ہوئی کشتی کو گرداب ہلاکت سے نکالا۔ دوسری طرف مختلف قوموں میں لائق علماء پیدا ہوئے جن میں سے بعض نے اسلام کی تعلیم حقّہ کو قبول کیا اور باقیوں نے باوجود اختلاف رکھنے کے اس کے آگے سر تسلیم خم کیا۔ چنانچہ برہموسماج کے بڑے بڑے لیڈر اسلام کے گن گانے لگے۔ اور اب تک تسلیم کرتے ہیں۔ ان کو صداقت کا جو حصہ ملا ہے، وہ اسلام سے ملا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا لیکچر مہوتسو جو دسمبر 1896ء کے جلسہ مذاہب لاہور میں پڑھا گیا۔ تمام مذاہب کے علماء نے متفقہ طور پر اس کی برتری اور فضیلت کا اعتراف کیا لیکن افسوس کہ اسی زمانہ میں پنڈت دَیانند جیسے انسان بھی پیدا ہوئے۔ پیدائش سے پنڈت جی شیومَت کے پجاری تھے یہ......شیولنگ کی پوجا کرتے ہیں اور شیوجی کا نام جپتے ہیں انیس سال تک ادھر اُدھر وِدّیا کی تلاش میں پھرتے رہے کبھی کاسی بنے کبھی سنیاسی۔ لیکن نہ یوگ وِدّیا نصیب ہوئی اور نہ ویراگ کی حالت پیدا ہوئی کہ سنیاس کو نبھا سکے۔ اور آخر میں سیاسی پالیسی کو مدنظر رکھ کر آریہ سماج کی بنیاد ڈالی اور سَتھیارَتھ پرکاش لکھی۔ جس میں ویدوں کو خدا کا قرار دے کر ان پر عمل کرنا ساری دُنیا کا فرض قرار دیا۔ لیکن اس کی حقیقت بہت جلد کھل گئی بلکہ پنڈت جی کے پیروؤں نے ہی کھول دی۔ چنانچہ پنڈت پرمانند صاحب اُپدیشک نے آریہ اخبار پرکاش لاہور میں اس بارہ میں ایک مضمون لکھا اس کا مطلب یہ ہے کہ

اس بات کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں کہ آریہ سماج کے ابتدائی زمانہ سے اس وقت (سے لیکر اب) تک ہمیشہ ہمارے کانوں میں یہ شور پہنچتا رہا ہے کہ مہارشی دیانند نے ویدک الہام کا عقیدہ صرف آریہ جاتی کو ایک مرکز پر جمع کرنے کی غرض سے آریہ سماج کے اصولوں میں داخل کیا تھا‘‘

(سوامی دیانند اوران کی تعلیم صفحہ 232)

پنڈت سورج مل صاحب اخبار ''برادرِ ہندو'' میں پنڈت جی اوران کی تفسیر وید کے متعلق جو مضمون چھپا تھا اس کا حوالہ دے کر تحریر فرماتے ہیں:

''میں نے سوامی جی کی بابت ڈاکٹر صاحب سے گفتگو کی تھی۔

انہوں نے مجھ سے بیان کیا کہ سوامی جی نے یہاں لوگوں کے سامنے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ میں جانتا ہوں کہ میری پوزیشن غلط ہے مگر پالیسی (یعنی مصلحت) یہی ہے کہ سماج کی ترقی کے لئے ایسے خیالات کی اشاعت کی جائے'' (یعنی وید ہر چند الہامی نہیں۔مگر پالیسی کے طور پر ان کو الہامی منوانے کی ضرورت ہے۔کیونکہ اس سے دیش آنتی اور آریہ سماج کی ترقی ہوتی ہے۔

(کتاب مذکورہ الصدر صفحہ 245)

برہمچاری لچھمن شاد صاحب پریذیڈنٹ آریہ سماج جہلم نے ایک گشتی چھٹی کے جواب میں لکھا:۔سوامی دیانند سرسوتی کے ساتھ ایک عرصہ دراز تک میری واقفیت رہی۔وہ پندرہ روز تک جہلم میں میرے مہمان رہے تھے۔اور اس زمانہ میں روزانہ ان سے گفتگو ہوتی تھی،آپ کے سوال کے جواب میں جو کچھ مجھے معلوم ہے اس کو یہاں مختصر بیان کئے دیتا ہوں۔سوامی جی نے بمقام جہلم مجھ سے صاف صاف کہا تھا کہ ہندوستان میں تمام ہندو ویدوں کو اِیشور کا کلام مانتے ہیں۔اور جب تک کہ آپ ویدوں کے نام سے خدا کی توحید اور اس کی پرستش کی تعلیم نہیں دیں گے اُس وقت تک لوگ آپ کی بات نہیں سنیں گے

(روزنامہ الفضل قادیان مورخہ 11 اکتوبر 1946ء)

پالی اور سنسکرت

پالی زبان کا پہلوی ہونا ایک یقینی امر ہے۔ ایران کے پہلوی اور فارسی تمدن کا اثر سارے شمالی ہندوستان میں پہنچ چکا تھا۔1000 قبل مسیح سے لے کر 400 قبل مسیح یعنی600 سال تک سارا افغانستان،صوبہ سرحد، اور پنجاب ایرانی شہنشاہوں کے زیر حکومت رہا۔ اسی وجہ سے یونانیوں کی آمد تک پنجاب اور افغانستان کے اندر ابتدائی تین صدیوں میں عربی اور عبرانی کا دور دورہ رہا۔ اور پھر آخری تین صدیوں میں۔ق۔م میں پہلوی زبان کو اقبال نے اپنے پہلو میں جگہ دی۔ اس زبان کی تحریر دائیں سے بائیں کوتھی۔ جیسا کہ تمام سامی زبانوں کا قاعدہ ہے۔ جو کتبے گجرات اور افغانستان سے برآمد ہوئے ہیں۔ وہ اسی زبان میں ہیں۔ جو دائیں سے بائیں کو لکھی گئی۔

شہناز گڑھی واقعہ افغانستان سے جو کتبہ برآمد ہوا۔ اس کی زبان کے متعلق انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا رقمطراز ہے۔ دیکھو لفظ *Inscripions* سیاح مانسن نے (اس کتبے کا) نقش یا چربہ کالی کٹ کے کپڑے پر اتارا اور ایک نقل بھی لی پھر اس نے اس کو رائل ایشیا ٹک سوسائٹی کے آگے پیش کیا۔ یہ کتبہ راجہ اشوک کی نصب کرائی ہوئی لاٹوں کے رسم الخط میں تجربہ نہ تھا۔ بلکہ اس زبان میں تحریر تھا جس کا نام آجکل باختی پالی یا آرین پالی مشہور ہے۔ جس میں زبردست علامات اس امر کی موجود ہیں۔ کہ یہ زبان اصل میں فنیقی زبان سے نکلی ہے۔

لاٹوں کے حروف یعنی ہندی پالی کی تحریر بائیں سے دائیں کو ہے۔ لیکن برخلاف اس کے آرین پالی رسم الخط دائیں سے بائیں کو ہے۔ یہ رسم الخط قبل ازیں باختر کے ان یونانی بادشاہوں کے سکوں پر پایا گیا۔ جن پر دو زبانوں (پالی اور یونانی) کی عبارت ہے ان سکّوں کے سامنے کے رخ پر ایک یونانی قصہ درج تھا۔ اور پشت کی جانب ثابت ہوا کہ اسی کا آرین پالی زبان میں ترجمہ تھا۔ آگے چل کر یہی مصنف لکھتا ہے۔

راجہ اشوک کے پانچ بڑے کتبوں کے علاوہ چھ اور چٹانی کتبے بھی ہیں۔ جن میں سے تین سہسرام، روپ ناتھ اور برایت میں ہیں۔ بجز اس کتبے کے جو متھرا میں ہے۔ یہ کتاب آرین پالی زبان میں ہیں۔ (یعنی پہلوی زبان میں) یہ سب کتبے مختصر سے ہیں۔ اور بعض تو 6 یا 7 الفاظ کے ہیں۔ یہ اس زمانہ کے ہیں جو سنہ

عیسوی کے آغاز کے قریب تھا۔ ذرا آگے چل کر یہی مصنف لکھتا ہے۔ کہ مانکی آلا (مانکی والا) واقعہ پنجاب میں سے ایک کتبہ نکلا ہے۔ جس پر ۶۴۶ء لکھا ہے۔ اس سے اغلباً بعد بدھ مراد ہے۔

اسی مضمون کے سلسلہ میں راجہ کنشک کے خاندان کے تذکرہ کے بعد لکھا ہے۔

انڈو سِتھین خاندان کے عہد کے قریب سوراسٹر (گجرات میں) ایک حکمران خاندان گزرا ہے۔ جو اپنے آپ کو کھیتر پ یا ستیرپ کہتے تھے۔ اور وہ شاہ یا شحنہ کے نام سے مشہور تھے۔ وہ بعض کتبے چھوڑ گئے ہیں۔ ان کتبات کی زبان ہندی پالی ہے۔ لیکن ان سے کچھ زمانہ پہلے کے سکوں پر شاہ وقت کا نام امتیازی حیثیت کے ساتھ آرین پالی (پہلوی) ہی مرقوم ہے۔

کیا ان انکشافات سے جو سکّوں اور کتبوں کے ذریعہ انیسویں صدی میں ہوئے ہیں اس اَمر کے ثبوت میں کچھ کسر رہ جاتی ہے کہ۔ 500 برس تک پہلوی زبان پنجاب ہندوستان گجرات سرحدی صوبہ اور افغانستان کے اندر *Lingua Franca* تھی۔ باختر کے یونانی بادشاہوں۔ گجرات کے فارسی الاصل شاہوں کنشک اور اس کے جانشینوں۔ موریا خاندان کے سب سے بڑے بادشاہ اشوک (جس کا دارالخلافہ پٹنہ تھا) نے اپنے سکے اور کتبے کھدانے کے لئے پہلوی زبان (جس کو ہندوستان میں پالی کہنے لگے تھے) سے زیادہ موزوں اور کوئی زبان نہ دیکھی۔ اور متھرا کے کتبے کے سوا باقی تمام کتبات ایرانی پالی پہلوی میں لکھوائے۔

پالی کی مثال آج کل ہمارے زمانے میں اردو زبان ہے جو بلا شبہ ہندوستان کی *Lingua Franca* ہے۔ اور انگریزوں نے ابتدائے ایسٹ انڈیا کمپنی سے عملی رنگ ہی اس کا *Lingua Franca* ہونا تسلیم کیا ہے۔ چنانچہ ڈیڑھ سو سال سے نقرئی سکّوں پر انگریزی کے علاوہ اردو حروف میں سکہ کا نام کندہ ہوتا رہا۔ اور دو کے سوا ہندوستان کی باقی پراکرتوں کو یہ درجہ نہیں دیا گیا۔ بعینہٖ اسی طرح آپ یہ سمجھ لیں کہ پالی زبان کا رسم الخط پہلوی کے طرز پر دائیں سے بائیں کو مقبول خاطر عوام رہا۔ اور چھٹی صدی قبل مسیح سے لے کر ابتدائے سن عیسوی تک یہ زبان کا رسم الخط ہندوستان میں جاری رہا۔

موریا خاندان کے فاتح ہونے پر جہاں ایک طرف بدھ مذہب اور سلطنت کو ضعف پہنچا۔ وہاں پالی زبان کو بھی سر نیچا کرنا پڑا۔ حتیٰ کہ گپت خاندان کے سب سے بڑے بادشاہ چندر گپت بکرماجیت کے عہد یعنی چوتھی صدی عیسوی میں ہندوستان کے اندر پالی زبان کی ہستی نابود ہو کر ایک نئی زبان نکل آئی۔ جس کا نام برہموں نے سنسکرت یعنی زبان رکھا۔ سنسکرت نام ہی کہے دیتا ہے کہ یہ زبان پالی اور دیگر ہندوستانی پراکرتوں

کا خلاصہ ہے جس کی ابتداء گپت خاندان کے ساتھ ہوئی۔

سنسکرت اپنے وقت کی تمام زبانوں سے بہترین زبان تسلیم کی گئی۔ اور اپنے عروج کے وقت میں اس نے بہت اچھا قابل قدر لٹریچر پیدا کیا۔ کسی مورخ اور ادیب کو اس اَمر کے تسلیم کرنے سے انکار نہیں۔ البتہ ہمیں اس بات پر بہت تعجب آتا ہے۔ جبکہ ہم ہندو اخبارات سے آئے دن یہ سنتے ہیں کہ سنسکرت زبان سب سے قدیم زبان ہے۔ پنڈت دیانند صاحب کس شان بے نیازی سے اس بارے میں فرماتے ہیں۔ کہ اس سے پہلے ملک ہندوستان کا کوئی نام نہ تھا۔ اور نہ کوئی آریوں سے پہلے اس ملک میں بستے تھے کیونکہ آریہ لوگ ابتدائے عالم (جس پر بقول ان کے ایک ارب ستانوے کروڑ برس گزرے ہیں) میں عرصہ کے بعد تبّت سے سیدھے اس ملک میں آکر بسے تھے۔

سنسکرت بکرماجیت کے عہد میں رونما ہوا۔ جس کو ڈیڑھ ہزار برس سے زیادہ عرصہ نہیں گزرا۔ پھر کس مونہہ سے یہ لوگ سنسکرت کی ازلیّت اور قدامت کا دعویٰ کرتے ہیں۔ رہے وید سو وہ بھی اسی زمانہ کی تصنیف ہیں۔ ان کی زبان سنسکرت سے ذرا مشکل سہی لیکن اس سے ان کی زبان اوّل ترین ہونے کا درجہ حاصل نہیں کرسکتی۔ مانا کہ ویدوں کے مصنفوں نے سنسکرت کے الفاظ کے علاوہ بہت سے دقیق الفاظ ژند و پاژند کے بھی ملا کر وید کے اشعار موزوں کئے ہیں۔ جس سے ان کی زبان عام فہم نہیں رہی۔ اور غالباً مصنفوں کا منشأ بھی یہی ہوگا۔ کہ عوام النّاس ان کو نہ پڑھیں۔ جب ہی تو اس قسم کے قواعد ایجاد کئے گئے کہ اگر کوئی شُودَر وید کا منتر سن لے تو اس کے کان میں سسیہ پگھلا کر ڈالا جائے۔ پس ایک طرف زبان کو عمداً دقیق اور مشکل بنا دیا گیا۔ اور دوسری طرف عوام النّاس سے ویدوں کو چھپایا گیا۔ مگر اس قسم کی زبان سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہو سکتا کہ وید بقول آریہ سماجیوں کے ایک ارب ستانوے کروڑ سال پیشتر نازل ہوئے تھے۔ اور سنسکرت سب سے قدیم زبان ہے۔

(الفضل ۱۳ اکتوبر ۱۹۳۳ء)

عقیدہ تناسخ کے نقائص

یہ فقرہ اہم مدت دراز سے سنتے آئے تھے۔ کہ جہاں یورپین فلسفہ ختم ہوتا ہے۔ وہاں سے ہندوفلسفہ شروع ہوتا ہے۔لیکن جب ہندوؤں کی مذہبی کتب کا مطالعہ کیا اوران کے فلسفہ کے شاستر دیکھے۔تو اس مثل کی صداقت کی جانچ پڑتال کا خوب موقعہ ملا۔اس مختصر مضمون میں ہم فلسفے کی لمبی چوڑی بحثوں میں اوراس کے مختلف مسائل میں پڑنا نہیں چاہتے۔صرف ایک مسئلہ تناسخ کی پڑتال کریں گے کہ آیا وہ سائنس اور عقلی تجارب اور مشاہدات کی رُو سے صحیح ٹھہرتا ہے یا محض ایک ڈھکوسلا اور مسخ شدہ دماغ کی اختراع ہے۔

تناسخ کے مسئلہ کے قائل نہ یہود ہیں، نہ عیسائی نہ مسلمان اور ابتدائی صدیوں میں بدھ بھی اس کے قائل نہ تھے۔سکھوں کے گرد باوا نانک صاحب بھی اس کے قائل نہ تھے۔ ہندوؤں کے مایہ ناز پیغمبر یا تورات سری کرشن بھی اس کے قائل نہ تھے۔گیتا موجود ہے۔اس میں بروز کا مسئلہ تو پایا جاتا ہے۔مگر تناسخ کا نشان کہیں نہیں ملتا۔

قائلینِ تناسخ کا بودا خیال ہے

الغرض ہندوستان کے اندر بجز ہندو قوم کے اور کوئی قوم تناسخ کے قائل نہیں۔سمجھ میں نہیں آتا کہ سائنس،ڈاکٹری اور طبّ کی روشنی سے اس قوم نے کیوں فائدہ نہیں اٹھایا۔کوئی ڈاکٹر طبیب اس بات کا قائل نہیں کہ روحِ انسانی باہر سے آکر داخل ہوتی ہے بلکہ سب اسی بات کی تلقین کرتے ہیں۔جسے نہایت مشرح طور پر قرآن شریف نے بیان کیا ہے یعنی نطفہ یا بیرج مرکب ہے۔جسم اور رُوح سے۔قطرہ آب جسم ہے۔اوراس کے اندر جو قوت نموِ پنہاں ہے وہ رُوح ہے۔ دونوں چیزیں اپنی ابتدائی حالت میں موجود ہیں۔ جب نطفہ رحم میں جاگزیں ہوتا ہے تو ترقی کرنا شروع کرتا ہے۔اور جوں جوں جسم بڑھتا ہے قوت نمو بھی ساتھ ساتھ بڑھتی جاتی ہے۔قرآن شریف نے اس فلسفے کو اس آیت میں بیان کیا ہے۔إِنَّا خَلَقْنَا الْإِنسَانَ مِن نُّطْفَةٍ أَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيهِ فَجَعَلْنَاهُ سَمِيعًا بَصِيرًا ۔یعنی ہم نے انسان کو مرکب نطفہ سے پیدا کیا پھر اس کو آزمائشوں میں ڈالتے گئے اور آخر کار تدریجی نشو ونما پاتا ہوا وہ سمیع اور بصیر ہو گیا۔یعنی کامل

انسان بن گیا۔قوت سماعت اور قوت بصارت جو حصول علم کے دو بھاری ذرائع۔ جو اس میں آ گئیں اور وہ مزید ترقی کرنے کے قابل ہو گیا۔

ہندو یہ بات اس لئے نہیں سمجھ سکتے کہ وہ اپنے بزرگوں سے یہی سنتے آئے ہیں کہ روحِ انسانی آوا گون کا چکر پورا کرنے کے لئے لاکھوں بار جسموں میں پڑتی ہے تا کہ اپنے کرموں کی سزا جزا ہو۔ کاش وہ غور اور تدبر سے کام لیتے۔

تناسخ کے ماننے کے نقائص

تناسخ کے ماننے سے جو نقائص لازم آئے ہیں۔ان میں سے چند ایک یہ ہیں۔

1)اس عقیدہ کو صحیح مان کر سچے فلسفہ پیدائش کا انکار لازم آتا ہے۔جیسے اوپر بیان کیا گیا ہے اور جس کی تصدیق طب اور سائنس دونوں کرتے ہیں اور یہ عقل انسانی کے بھی عین مطابق ہے۔

2)اس مسئلہ کو مان کر خدا تعالیٰ کو ماننے کی چنداں ضرورت نہیں رہتی۔ کیونکہ اوّل تو روحوں کی پیدائش بقول آریوں کے خدا کے ہاتھ سے نہیں ہوتی۔ پھر اس دنیا میں آ کر جو کچھ انسان کو ملتا ہے۔(مثلاً عقل۔ دل۔ دماغ،قسمت وغیرہ) وہ اس کے سابقہ جنم کے کرموں کا پھل ہوتا ہے۔جب انسان اپنی قسمت آپ بناتا ہے۔تو خدا کا اس پر کونسا احسان ہوا۔اس طرح تناسخ کا عقیدہ انسان کو دہریت کی طرف لے جاتا ہے۔

3) تناسخ کے مسئلہ کو صحیح مان کر نسب کی صحت اور رحموں کے پاس کا قطعی امان اٹھ جاتا ہے۔ کیونکہ یہ مسئلہ باہم محبت اور الفت کو قطع کرنے والا ہے۔قائلین تناسخ کے عقیدہ کے مطابق ایک آدمی کا تعلق اپنے بھائی بہنوں کے ساتھ محض جسمانی ہوتا ہے روحانی تعلق قطعاً نہیں ہوتا۔ کیونکہ ان کے عقیدہ کے مطابق روحیں نطفے سے پیدا نہیں ہوتیں۔ بلکہ باہر سے آئی ہیں اس صورت میں ہوسکتا ہے کہ کسی کے ایک بھائی میں چمار کی رُوح ہو اور دوسرے میں کمہار کی اور خود اپنے تئیں وہ برہمن جانتا ہو۔ یہ خیالی بات ہی نہیں ۔ایک گریجویٹ ہندو دوست نے مجھے بیان کیا کہ کرشن جی نے جب ارجن کو اپنے بھائیوں اور قریبی رشتہ داروں سے نہ لڑنے پر زجر و توبیخ کی تو ارجن نے کہا کہ میرے بھائی بند اور اُقرباء ہیں۔ اِن سے لڑوں گا تو اپنے ہی عزیزوں کو ماروں گا کرشن جی نے کہا تمہیں کیا معلوم ہے کہ وہ تمہارے حقیقی رشتہ داروں اور بھائی بند ہیں یا تمھارے اغیار یہ انہوں نے تناسخ کے رُو سے ہی کہا کیونکہ عین ممکن ہے۔کہ دریودھن اور اس کے بھائیوں میں شیاطین

کی روحیں حلول کر گئی ہوں۔اس صورت میں وہ ارجن کے بھائی بند نہیں ہو سکتے۔اس لیے ارجن کا فرض تھا۔کہ وہ اپنے ظاہری بھائیوں کو موت کے گھاٹ اتارتا۔(**روزنامہ الفضل ۱۰ ستمبر ۱۹۳۳ء**)

اَزْ وَاجُ النّبی صَلَی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم

اسلام سے قبل عرب میں دستور تھا کہ ایک مرد جتنی بیویاں چاہتا کر لیتا تھا۔ دو، چار، دس کی کوئی حد نہ تھی مگر رسول اکرم ﷺ نے اوّل تو 25 برس کی عمر میں شادی کی اور پھر باون برس کی عمر تک ایک ہی بیوی کے ساتھ زندگی بسر کی۔ تقدیر الٰہی سے جب وہ بیوی یعنی حضرت خدیجہؓ فوت ہوگئیں۔ تو آپ نے ایک بیوہ حضرت سودہؓ کے ساتھ نکاح کر لیا۔ اس کے بعد حضرت عائشہؓ کے ساتھ نکاح ہوا۔ (رخصتانہ دو۔ تین سال کے بعد ہوا) اس وقت آپ مدینہ میں آ چکے تھے اور اسلام کے دشمنوں کے ساتھ آپ کی جنگیں شروع تھیں۔

نبی کریم ﷺ نے کئی بیوہ عورتوں سے جن میں سے بعض تو حضورؐ کی قریبی رشتہ دار اور بعض رئیس زادیاں تھیں جو جنگوں میں اُسیر ہو کر آئی تھیں، شادی کی۔ ذیل میں ان کے مختصر حالات درج کر کے بتانا چاہتا ہوں کہ کن حالات اور کن مصالح کی بناء پر آپ نے شادیاں کیں۔

(1) حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نہایت پاکدامن، پاک طینت، وَفا شعار، عصمت مآب، طہارت انتساب اور سب سے پہلی بیوی ہیں۔ جن سے حضور علیہ السلام کا نکاح 25 سال کی عمر میں اس وقت ہوا جبکہ ان کی عمر چالیس برس تھی۔

(2) حضرت سودہ رضی اللہ عنہا ایک بیوہ جو مفلوک الحال تھیں۔ اور جن کا کوئی محافظ بھی نہ تھا۔ جو ظاہری لحاظ سے کوئی خصوصیت نہ رکھتی تھیں۔ ان کی اپنی درخواست پر حضورؐ نے ان سے نکاح کر لیا۔

(3) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ایک امیر زادی، ابوبکر صدیق کی صاحبزادی فطانت وذکاوت میں بے مثال۔ باغ قدس کی نونہال، 9 سال کی عمر میں نکاح ہوا۔ اس وقت بالغ ہو چکی تھیں۔

(4) حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بیٹی جن کا خاوند جنگ بدر میں شہید ہو گیا۔ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عثمانؓ نے بعض مجبوریوں کی وجہ سے ان کے ساتھ جب نکاح کرنے سے انکار کر دیا۔ اور حضور علیہ السلام کو یہ حال معلوم ہوا تو خود ان سے نکاح کر لیا۔ یہ بہت بڑی نوازش تھی۔ جو آپ نے حضرت حفصہؓ اور حفصہؓ کے خاندان پر کی۔

(5) زینب رضی اللہ عنہا بنت خزیمہ۔ان کا خاوند عبداللہؓ جنگ اُحد میں شہید ہوگیا۔آپ نے اُن سے نکاح کرلیا۔

(6) حضرت زینب رضی اللہ عنہا بنت جحش آپ کی پھوپھی زاد تھیں ان کے بھائی اور خود زینبؓ کی خواہش تھی کہ آپ اس سے نکاح کرلیں۔لیکن آپ نے زیدؓ کے حال پر شفقت فرمائی۔جلدی سے نکاح کردیا۔لیکن دونوں کے مزاج میں موافقت نہ ہوئی۔اورآخر زیدؓ نے طلاق دیدی۔مطلقہ کو بے عیب گرداننے کے لئے آپ نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح کرلیا۔اس سے یہ خیال بھی باطل ہوگیا۔کہ متبنّٰی اصلی بیٹے کے برابر ہوتا ہے۔اورآیندہ متبنّٰی بنانے کی رسم جو قائم تھی،موقوف ہوگئی۔

(7) حضرت جُویریہؓ۔ایک عرب رئیس کی بیوہ لڑکی تھیں جو کہ جنگ کے بعد قیدیوں میں اُسیر ہوکر آئیں۔باپ فدیہ دیکر بیٹی کو چھڑانے آیا۔مگر مدینہ پہنچ کر خود معہ دو بیٹیوں کے مسلمان ہوگیا۔اورخود اپنی مرضی سے بیٹی کو حضورؐ کے نکاح میں دے دیا۔اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس قبیلہ کے تمام قیدی مسلمانوں نے بغیر فدیہ لئے اِسلئے آزاد کردیئے کہ وہ حضرت جویریہؓ کے ہم قوم تھے۔

(8) حضرت صفیہؓ ایک یہودی سردار کی بیٹی تھیں۔فتح خیبر کے وقت ان کا خاوند مارا گیا۔اوروہ اُسیر ہوکر آپ کے حضور آئیں۔آپ نے اُن سے نکاح کرلیا۔

(9) حضرت اُمِّ حبیبہ رضی اللہ عنہا یہ بیوہ ہوگئی تھیں۔آنحضرتﷺ نے اپنی زوجیّت کا شرف بخشا۔

(10) حضرت میمونہؓ ایک غیر قریشی قبیلہ کی عورت تھیں انہوں نے نبی کریمؐ سے خود نکاح کی درخواست کی تھی جوآپ نے قبول فرمائی۔

(11) حضرت ماریہ قبطیّہ رضی اللہ عنہا شاہ مصر نے اِن کو آنحضرتﷺ کی خدمت میں بھیجا۔آپ نے ان کو آزاد کر کے نکاح کرلیا۔حضرت خدیجہؓ کے بعد یہی ایک بیوی ہیں۔جن کے ہاں لڑکا (یعنی حضرت ابراہیم) پیدا ہوئے۔

(12) حضرت اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا ایک بیوہ قریشی عورت تھیں۔بڑی عمّر رسولِ کریمﷺ نے جب ان کو نکاح کا پیغام دیا۔تو اِنہوں نے کچھ تامّل کے بعد قبول کیا۔اور بعد میں وہ آپ کی بہت محبت کرنے والی بیوی ثابت ہوئیں۔

(13) حضرت ریحانہ رضی اللہ عنہا ایک غیر معروف بیوی ہیں۔

مذکورہ بالا بیان سے ظاہر ہے کہ رسول کریم ﷺ نے صرف ایک ہی کنواری عورت سے شادی کی۔ یعنی حضرت عائشہ صدیقہ سے۔ باقی سب بیوہ تھیں۔ ان میں حضرت خدیجہؓ آپ کی پہلی بیوی ہیں۔ جن کے ساتھ آپ نے جوانی اور ادھیڑ عمر کا زمانہ گزارا اور اس عرصہ میں دوسرا نکاح نہ کیا۔ اگر جیسا کہ حضورؐ کے بعض دشمن آج کہہ رہے ہیں۔ آپ ؐ نعوذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذَالِکَ ''رنگین مزاج'' یا ''رنگیلے'' ہوتے تو یہی وہ زمانہ تھا جس میں آپ کم از کم دو بیویاں کر لیتے۔ مگر آپ تو خدتعالیٰ کی محبت کے دریا میں ہر دَم غوطہ زَن تھے۔ لیکن جب آپ بوڑھے ہونے کو تھے۔ تو آپ نے سات بیوہ عورتوں سے نکاح کیا۔ کیوں؟ اس لئے کہ جنگیں چھڑ گئیں تھیں۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا، حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا حضرت اُمِّ حبیبہ رضی اللہ عنہا حضرت اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا پانچ شریف زادیاں بیوہ ہوگئی تھیں۔ ان کو ان کی حسب حیثیت خاوند نہیں ملتے تھے۔ اور ان کا محافظ اور ان کی خبر گیری کا ذریعہ کوئی نہ تھا۔ لہذا آپ کو انہیں زوجیّت میں لینا ضروری ہوگیا۔ اسی طرح حضرت جویریہؓ۔ اور صفیہؓ میں سے ایک عربی اور دوسری یہودی رئیس کی بیٹی تھی۔ دو نوں بیوہ ہو چکی تھیں۔ دونوں اُسیر ہو کر حضور ﷺ کے سامنے آئیں۔ اور حضور کو ان سے نکاح کرنا پڑا۔ نہ کرتے تو کیا کرتے؟

ہاں حضرت زینب رضی اللہ عنہا بنت جحش اور حضرت ماریہ قبطیہ کا ذکر باقی ہے۔ میں پہلے بیان کر چکا ہوں۔ کہ زینبؓ تو حضور کی پھوپھی کی بیٹی تھیں۔ زید نے ان کو طلاق دے دی۔ اب مطلقہ عورت عام طور سے ناقص سمجھی جاتی ہے۔ اس لئے نیز اس لئے بھی کہ خود حضرت زینب کا بھی یہی منشاء تھا۔ حضور ﷺ نے ان کو شرف زوجیّت بخشا۔ رہی ماریہ قبطیہؓ جنہیں شاہ مصر نے حضورؐ کی خدمت میں بھیجا تھا۔ وہ لونڈی تھیں۔ حضور ﷺ نے ان پر یہ احسان کیا۔ اور بنی نوع انسان کو ایک اعلیٰ نمونہ اپنے اخلاق کا دکھایا کہ ان کو آزاد کر کے اپنے نکاح میں لے آئے۔

سمجھ میں نہیں آتا، کیوں نادان لوگ ان نکاحوں پر اعتراض کرتے ہیں۔ دُنیا میں کوئی انسان ایسا نہ ہوگا۔ جس کی زندگی نہایت سادہ جس کا گزارا نہایت تنگی میں ہو۔ جو چاروں طرف سے دشمنوں میں گھرا ہوا ہو۔ جو اپنی بیویوں کو زیور اور لباس ہائے فاخرہ چھوڑو، پیٹ بھر کھانے کو بھی نہ دے سکتا ہو۔ وہ اتنی بیویوں کا بوجھ اپنے ذمے لے لے۔ پھر بیویاں بھی وہ جو ایک کے سوا سب بیوہ ہوں کیا ایسا آدمی عشرت پسند

ہوسکتا ہے۔قطعاً نہیں۔ان حالات میں عیش وآرام کا خیال بھی نہیں آسکتا۔یہ محض مختلف حالات میں دُنیا کو نمونہ بن کر دِکھانے اوران کے لئے سامان ہدایت پیدا کرنے کے لئے بہت گراں بار بوجھ تھا۔جو رسول کریم ﷺ نے اٹھایا۔

بھلا زیادہ بیویاں کرنا بھی کوئی عیب ہے۔کیا اس سے پہلے رَسول اور پارسا لوگ متعدد نکاح نہ کرتے تھے۔ذرا سناتن دھرمیوں سے اور یہودیوں سے پوچھو۔کہ حضرت کرشن کے ہاں کتنی بیویاں یا گوپیاں تھیں۔اور حضرت داؤد اور حضرت سلیمان کے گھر میں کتنی بیویاں تھیں۔مگر جن کی فطرت مسخ شدہ ہو ان کو کوئی کیونکر سمجھائے!ان کا کام تو پاکوں پر اعتراض کرنا ہی ہوتا ہے۔

حضورؐ کا منشاء اتنی بیویاں کرنے سے یہ تھا کہ عورتیں حضور کی صحبت پاک میں رہ کر خود دین سیکھیں۔اور دوسری عورتوں کو سکھائیں۔چنانچہ اس مقصد میں پوری طرح کامیابی ہوئی۔اور عورتوں کے خاص حالات کے متعلق ازواج النبی ﷺ کے ذریعہ ایسی تعلیم تیار ہوئی جو ہر پہلو سے مکمل ہے۔اور جس کی نظیر کسی اور مذہب میں ہرگز نہیں مل سکتی۔

(الفضل ۲ اپریل ۱۹۳۱ء)

ویدوں میں کیا ہے؟

پیشتر اس کے کہ میں عالموں اور پنڈتوں کی آراء تحریر کروں۔ وید کے مضامین کو بآسانی سمجھنے کیلئے چند ابتدائی اموراور وید کی مختصر تاریخ کا بیان کرنا ضروری سمجھتا ہوں اور اُمید کرتا ہوں کہ اس سے کئی غلط فہمیاں جو وید کے بارہ میں پیدا ہو چکی ہیں وہ دُور ہو جائیں گی۔

وید اشعار کا مجموعہ ہیں

وید دراصل کوئی کتاب نہیں۔ کتاب کے معنے مسلمانوں اور اہلِ کتاب کی اصطلاح میں ایسی لکھی ہوئی عبارتوں کا نام ہے۔ جو کسی نبی پر نازل ہوئی ہوں۔ یا اس نے خدا سے الہام پا کر یا روحُ القدس کی تائید سے لکھی ہوں۔ لہٰذا اصطلاحی معنوں میں وید کوئی آسمانی کتاب نہیں اور نہ کبھی تھی۔

وید مشرکانہ اَشعار کا مجموعہ ہے۔ جو سینکڑوں برسوں میں تیار ہوا۔ اس مجموعہ کے اندر بیسیوں شعراء کا کلام ہے۔ ان شعراء کو وید کی اصطلاح میں رشی کہا جاتا ہے۔

وید کی تعلیم

ان رشیوں کے کلام میں دیوتاؤں کی اور اَجرام فلکی کی تعریفیں ہیں۔ ان کی پوجا کی جاتی ہے اور ان کے آگے منت وزاری کی جاتی ہے۔ ان سے رزق، کھیتیاں، گائیں، اولاد اور سو برس جینے کی تمنائیں کی جاتی ہیں۔ کبھی اندر دیوتا کو مدعو کیا جاتا ہے کہ نیچے اُتر کر سوم رس کا جام نوش کرے۔ اور پلانے والے کا دامن مرادوں سے بھر دے۔ رگوید اسی قسم کے اشعار سے بھر پور ہے۔ یجر وید میں گائے۔ بیل اور ہر قسم کے جانوروں کی قربانیاں دینے پر زور دیا گیا ہے۔ اور قربانی کے پیچ در پیچ قواعد بتلائے گئے ہیں۔ سام وید میں ان اشعار کو ایک جگہ جمع کر دیا گیا ہے۔ تا وہ یگیہ کے وقت گانے کا کام دیں۔

وید میں خدا کا ذکر نہیں:

ویدوں کے اشعار میں خدا تعالیٰ کا کہیں ذکر نہیں۔ توحید اور رسالت کا نام ونشان نہیں۔ الہام اور وَحی سے وہ بے خبر ہیں۔ پس ویدوں کے الہامی ہونے کا سوال ہی سرے سے پیدا نہیں ہوتا۔ چہ جائیکہ ان کو الہامی کتاب مانا جائے۔ دیوتاؤں کی تعریفیں دل کھول کر کی گئی ہیں۔

وید زمانہ جاہلیت کا کلام ہے:

یہ کلام آج سے 3000 یا اس سے بھی کچھ پہلے زمانہ کا ہے۔ آریہ لوگ اسوقت اعلیٰ تمدّن سے واقف نہ تھے۔ یہ گلہ بانی اور زراعت کا زمانہ تھا۔ فلسفہ نے ابھی اس قوم کے گھروں میں قدم نہ رکھا تھا۔ ایسے غیر متمدّن یا یوں کہو کہ جاہلیت کے زمانہ میں بچارے برہمن اس سے زیادہ اور کیا کر سکتے تھے۔ وہ مجبور بھی تھے۔ ہند میں آنے سے قبل وہ تین سو سال تک بابل، عراق اور منسانی کی سرزمینوں میں رہے تھے۔

(دیکھو رگوید منڈل 8 سوکت 20)

اسی سوکت میں سوسہ، میڈیا اور کالدیہ کا نام ایک ہی جگہ آیا ہے۔ ان علاقوں کے لوگ پندرھویں، چودھویں، تیرھویں، بارھویں صدی قبل از مسیح میں مترا، اندر، وان، اور نسیّہ (برج جوزا) وغیرہ کی پرستش کرتے تھے۔

(دیکھو انسائیکلوپیڈیا اور ریلیجنز اینڈ ایتھکس جلد ہفتم۔ مضمون متھرا ازم *Mithraism*)

چونکہ آریہ قوم نے ان علاقوں میں تین سو سال تک زندگی بسر کی۔ لہٰذا انہوں نے ان دیوتاؤں کی پرستش سیکھ لی۔ اور اسی مشرکانہ مذہب کو ہمراہ لئے ہوئے بارھویں صدی قبل از مسیح میں وارد ہندوستان ہوئے۔

گویا عناصر پرستی اور دیوتا پرستی، سورج پرستی وغیرہ وغیرہ مشرکانہ عقائد ان کے موروثی عقائد تھے۔ انہی عقائد کا اظہار انہوں نے اپنے اشعار میں کیا ہے۔

وید منتر

اکثر لوگ وید منتر یا منتر کے لفظ سے یہ دھوکا کھاتے ہیں۔ کہ شاید اس سے آیت مراد ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ منتر شعر کو کہتے ہیں۔ اور سوکت کے معنے فصل کے ہیں۔ اور منڈل بمعنی جلد سمجھ لیجئے۔ مثلاً رگوید کے دس منڈل ہیں۔ اس کے معنی یہ کہ رگوید کی دس جلدیں ہیں۔ اس میں نوے شعراء کا کلام درج ہے۔ یجروید

کے مصنفوں یا شاعروں کی تعداد 200 تک پہنچتی ہے۔سام وید اور اتھر وید کا حال اس سے بڑھ کر ہے۔ سینکڑوں شعراء کا کلام اس میں پایا جاتا ہے۔

وید بیاس

میں نے اوپر بیان کیا ہے کہ آریہ ہندو،منسانی اور عراق کے ملکوں سے ہندوستان میں وارد ہوئے۔ بارھویں صدی سے لے کر دَسویں صدی قبل مسیح تک مختلف شعراء جن کی تعداد سینکڑوں تک پہنچتی ہے۔اور جن میں عورتیں بھی شامل ہیں۔اسی قسم کے شعر کہتے رہے۔اور یہ اشعار لوگوں کی زبانوں پر رہے۔لکھنے کا رواج اس وقت قطعاً نہ تھا۔اگر کسی ابتدائی زمانہ میں لکھنے کا رواج ہوگا تو یہ لوگ فن تحریر کو بالکل فراموش کر چکے تھے۔ پس یہ اشعار یا منتر سینہ بہ سینہ اور زبان در زبان صدیوں تک چلے آئے۔آخر سری کرشن کے ظہور سے قریباً ایک صدی پیشتر ویاس ولد پراشر نے جس کو وید بیاس بھی کہتے ہیں۔بذریعہ الہام حروف تہجی سیکھے۔(دیکھو وشنو پران) حروف تہجی یا اکھشر جو ویاس کو بذریعہ الہام سکھلائے گئے ان کی تعداد 50 بیان کی جاتی ہے۔ بعض لوگوں کا بیان ہے۔کہ اوّل ان اکھشر وں کی تعداد کم تھی۔بعد میں آہستہ آہستہ بڑھادی گئی۔اور یہ عین ممکن ہے۔

(الہرولی کی کتاب الہند صفحہ 82 جلد اول بار)

وید بیاس اور وَیدوں کی تدوین

وید بیاس کا نام ویاس اسی لئے رکھا گیا۔کہ انہوں نے اس مجموعہ اشعار کو جس کا نام وید ہے۔مضامین کے لحاظ سے تین حصوں میں تقسیم کیا۔پہلے حصہ کا نام رِگوید دوسرے کا نام سام وید۔تیسرے کا نام یجر وید رکھا۔رگوید میں رچائیں ہیں اور یجر وید میں رچاؤں کے علاوہ قربانیوں کا ذکر ہے اور قربانی کے جانوروں کی خدمت اور قربانی کے طریقوں کی تفصیل ہے۔سام وید گانے والے منتروں کا مجموعہ الگ کر دیا گیا۔

ایک سے تین وید

اس بیان سے یہ جھگڑا بھی صاف ہوگیا کہ ویدوں کی تعداد کتنی ہے؟ ایک یا تین یا چار۔ظاہر ہے کہ وید دراصل ایک ہی مجموعہ اشعار کا نام ہے۔وید نے اس کو تین حصوں میں بانٹ کر الگ الگ کر دیا۔کئی سو برس

تک یہی تین وید رہے۔ چوتھا وید یعنی (اتھر وویداس وقت بنایا گیا۔ جبکہ سری کرشن جی کے ظہور کے بعد آریہ لوگ توحید کی روشنی سے منور ہو چکے تھے۔ اس زمانہ میں چونکہ ان کے تعلقات عرب کے ساتھ مضبوط ہو چکے تھے۔ اس لئے وہ بے روک ٹوک مکہؔ میں جانے لگے۔ اور مکہؔ کے تعلق کی وجہ سے حضرت ابراہیمؑ حضرت اسماعیلؑ اور عیص یا اِیسو سے بھی جو حضرت اسماعیل کا داماد تھا، خوب واقف ہو چکے تھے۔ چنانچہ سری حضرت کرشن کی وفات سے قریباً تین سو سال بعد انہوں نے چوتھا وید تیار کیا۔ جس کا نام اتھرون ویدیا اتھر ووید رکھا۔ **پرش سوکت میں کس کی تحریف ہے**۔ اس وید کو اتھرون کے نام سے *Dedicate* (منسوب) کیا۔

ناظرین حیران نہ ہوں۔ اگر میں ان کو بتادوں کہ یہ اتھرون اسماعیل کا نام ہے۔ جس کا ثبوت اس مشہور سوکت سے ملتا ہے اور جو سب سے پہلے اس وید میں لکھ کر شامل کیا گیا۔ اس کا مصنف نرائن رشی ہے۔ اخبار الفضل 21 مارچ 1946ء میں پنڈت منگل دیو شاستری ایم۔اے پرنسپل گورنمنٹ سنسکرت کالج بنارس کے مضمون مندرجہ رسالہ رتنا گر بابت دسمبر 1945ء کا جو اقتباس شائع ہوا ہے۔ اس میں اسی پرنسپل سوکت کا ذکر ہے۔ لیکن غالباً ان کو بھی یہ معلوم نہ ہوگا کہ اس سوکت میں پرش سے کیا مراد ہے؟ انہوں نے پرش کو اپنے خیال میں خداتعالیٰ پر چسپاں کیا ہے۔ گو اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ پرش کا لفظ ویدوں میں پچاسوں جگہ عام انسانوں کیلئے آیا ہے۔ پس جب پرش کا لفظ عام انسانوں پر بھی بولا جاتا ہے تو پھر خداتعالیٰ کیلئے اس کا استعمال جائز نہیں ہوسکتا۔ اس پرش سوکت کا اگر تدبر کیساتھ مطالعہ کیا جائے تو اپنی تفسیر آپ کئے دیتا ہے۔ میرے خیال ناقص میں پرش سے مراد یہاں الانسان ہے۔ یعنی انسان کامل یا کلمہ جسے انگریزی میں *The Word* کہتے ہیں۔ انجیل پڑھنے والوں پر یہ امر مخفی نہیں۔ کہ تمام عیسائی حضرت مسیح کو *The Word* یا کلمہ کہتے ہیں۔ یوحنا کی انجیل کی پہلی آیت میں لکھا ہے "ابتداء میں کلام تھا کلام خدا کے ساتھ تھا۔ کلام خدا تھا" اس آیت میں کلام سے مراد مسیح علیہ السلام کی ذات ہے۔ اسی طرح آریوں نے اتھرون رشی (جو ہمارے خیال میں حضرت اسماعیل بن حضرت ابراہیمؑ ہیں) کو پرش یعنی کلمہ کہہ کر اس کی تعریف کی ہے۔ اور نرائن رشی نے بذریعہ اشعار اس عقیدت کا اظہار اس سوکت میں کیا ہے۔

اس سوکت میں نہ صرف اتھرون یعنی اسماعیلؑ کا ذکر ہے۔ بلکہ مکہ معظّمہ کی تعریف اس رنگ میں کی گئی ہے۔ جس طرح ایک مسلمان کرتا ہے۔ چنانچہ اس سوکت کے منتر 26 سے لے کر منتر 33 تک مکہ معظّمہ اور

حضرت اسماعیلؑ کی تعریف کی گئی ہے اور اخیر میں یعنی منتر 33 میں حضرت ابراہیمؑ (برہما) کے مکہ میں مختصر قیام کا ذکر ہے۔ یادرہے یہ پورا سوکت اتھروو ید پپلا وشا کھا میں موجود ہے۔ اس کے کل منتر 33 ہیں۔ اس سوکت کو بعدازاں رگوید اور یجروید میں بھی بطور ضمیمہ درج کیا گیا۔ لیکن رگوید میں صرف ابتدائی 16 منتر ہیں اور یجروید میں ابتدائی 23 منتر ہیں۔ پورا سوکت اتھروو ید پپلا وشا کھا میں اب تک موجود ہے۔ میں سمجھتا ہوں اس پرش سوکت کے وجود سے مہا تما پتنجلی نے اتھروو ید کو تمام ویدوں کا سردار کہا۔ پرش سوکت ہمیں اس بات کی طرف لے جاتا ہے کہ ہم یقین کریں۔ اس زمانہ میں آریہ لوگوں میں توحید اور رسالت کے خیالات پیدا ہو چکے تھے۔ یہ ساری برکت سری کرشن جی کی بعثت سے پیدا ہوئی تھی۔ ورنہ پہلے ہندوستان زمانہ جاہلیت کی زندگی بسر کر رہا تھا۔

(مطبوعہ الفضل 8 اگست 1946ء)

کلجگ کا آغاز کب ہوا(1)

ہندوؤں نے زمانہ کو چار حصوں میں تقسیم کیا ہے۔اور ہر ایک حصے کا نام یُگ (قُر بانی) رکھا ہے۔ بہ تفصیل ذیل:

ست یُگ۔1728000 سال کلی یُگ سے چوگنا

تریتا یُگ۔1296000 سال کلی یُگ سے تگنا

دواپر یُگ۔864000 سال کلی یُگ سے دوگنا

کلی یُگ۔432000 سال

ایک مہا یُگ۔4320000 سال

زمانہ کی یہ تقسیم صاف طور سے کسی ریاضی دان یا مہندس (انجینیئر) کی بنائی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ کسی الہامی کتاب حتٰی کہ خود وید میں اس تقسیم کا کوئی ذکر نہیں۔ یہ بات ہمیں تسلیم ہے کہ کسی زمانہ میں ہندو (یا آریہ) فن ہندسہ اور نجوم میں مہارت رکھتے تھے۔پس یُگوں کی تعداد اور ان کی تقسیم جو ہندوؤں کے شاستروں میں درج ہے۔تمام کی تمام مہندسوں کے دماغ کا نتیجہ ہے۔الہام کو ہرگز ان میں ذرہ برابر دخل نہیں۔ پنڈت لیکھرام صاحب آنجہانی نے اپنی تصنیف ''تاریخ دنیا'' میں اس تقسیم کو صحیح تسلیم کیا ہے۔مگر اس کی صحت پر کسی وید منتر کے حوالے سے دلیل قائم نہیں کی۔سوائے اتھر وَوید کے ایک حوالے کے۔جس کا ترجمہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

''سرشٹی قیام کا حساب سمجھنے کے واسطے اس طرح جانو کہ دَہ برس۔دس ہزار سینکڑہ یعنی دس لاکھ تک شون (زیرو) دینے کے بعد 4۔3۔2 جوڑنے سے حاصل ہوتے ہیں۔(4320000000)''

اگرچہ اتھر وَوید کی ہستی ہی مخدوش ہے۔اس لئے اس کا حوالہ بھی معتبر نہیں ہوسکتا۔لیکن بالفرض اگر اسے صحیح بھی قرار دیا جائے۔تو طرزِ بیان اور الفاظ صاف کہہ رہے ہیں۔کہ یہ کسی جوتشی کا کلام اور اندازہ ہے ،الہامی عبارت ہرگز نہیں۔

اس حوالہ سے اتھر وویدکی حقیقت بھی معلوم ہوگئی۔ کہ وہ محض انسانی ہاتھوں سے لکھی ہوئی کتاب ہے۔ جس میں من گھڑت مسائل ہیں۔خصوصاً دنیا کی عمر کا مسئلہ تو صاف طور پر من گھڑت دکھائی دیتا ہے۔کیونکہ اس بات پر کوئی علمی دلیل نہیں دی گئی۔ کہ کیوں اور کس حساب سے دنیا کی عمر چار ارب تیس کروڑ مقرر ہے۔اور نہ اس کا کوئی تاریخی ثبوت موجود ہے۔کہ فی الواقعہ اتنے کروڑ یا اتنے ارب سال آج تک گذر چکے ہیں۔پس صاف ظاہر ہے کہ یہ خیالی پلاؤ ہے۔جو وقتاً فوقتاً ہندو مہندسوں اور جوتشیوں نے پکایا۔مگر افسوس کہ اتنا عرصہ پکائے جانے کے بعد اور اس قدر نمک مرچ ڈالنے کے بعد بھی یہ پلاؤ بدمزہ ہی رہا۔

دراصل ہندوؤں کے شاستروں یُگ۔مہا یُگ یا چتر یگی۔منوتر۔کلپ۔برہم ون وغیرہ اصطلاحات طبع زاد اور خود ساختہ ہیں۔خدا تعالیٰ کو ہرگز ان تفصیلات میں پڑنے کی حاجت نہیں اور نہ انسانوں کو ان سے کچھ فائدہ پہنچ سکتا ہے۔

ہندوؤں کے بعض شاستروں نے کل یُگ کی کل معیاد 432000 سال تو بتلائی ہے۔لیکن کل یُگ کے آغاز کا صحیح علم کسی کو نہیں۔ بلکہ اس بارے میں وہ سراسر اٹکلوں سے کام لیتے رہے ہیں۔حتمی طور سے کسی نے کچھ بیان نہیں کیا۔مثلاً آئین اکبری میں کلجگ کا آغاز بعد تحقیقات پنڈتانِ ہنود راجہ یدھشٹر کی تخت نشینی سے قرار دیا گیا ہے۔لیکن راج ترنگنی کا مصنّف اسی زمانہ میں یعنی شہنشاہ اکبر کی وفات سے دس برس پیشتر اپنی کتاب میں لکھتا ہے۔کورو پانڈو کی جنگ اس وقت ہوئی تھی۔جبکہ کلجگ کے 663 برس گذر گئے تھے۔

(کلیات آریہ مسافر صفحہ 5۔حصہ اوّل)

راج ترنگنی ایک مشہور اور معتبر کتاب تاریخ کشمیر کے متعلق ہے۔لیکن اس کا بیان اپنے ہمعصر برہمنوں کے بیان سے بالکل مختلف ہے۔پس ہم کس کو معتبر سمجھیں۔اور کس کو غیر معتبر۔اس سے یہی ثابت ہوا۔کہ ہندوؤں کی تاریخ کے سنین واَعداد سب کے سب ظنّی ہیں۔اور کسی ایک سے تمسّک نہیں کیا جا سکتا۔خود پنڈت لیکھرام آریہ مسافر نے اپنی تصنیف ''تاریخِ دنیا'' کے صفحہ 2 پر تحریر کیا کہ۔کل یُگ جو چوتھا یُگ گذر رہا ہے۔اس کا اس وقت (1890ء میں) سمت ہے۔4990۔پھر یہی پنڈت صفحہ 5 پر راج ترنگنی اور آئین اکبری کے حوالے سے یدھشٹر کے زمانے کے متعلق متضاد بیانات تحریر کر کے آخر آئین اکبری کے بیان سے مطمئن نہ ہو کر صفحہ 14 پر یوں رقمطراز ہے۔

''تاریخ دُنیا حصہ اوّل میں یودھشٹری سمت کی تحقیقات کے متعلق ہم سے ایک غلطی ہوئی۔یعنی ہم نے

کل یگ کے سموت کو ہی یدھشٹر کا زمانہ تسلیم کرلیا۔مگر ایسا نہیں ہے۔پنڈت کلہن مصنف راج ترنگنی وغیرہ سنسکرت کے لائق مؤرخوں نے لکھا ہے۔کہ کلجگ کے 663 برس گذر چکے تھے۔تب یودھشٹر جی گدی نشین ہوئے۔

(کلیات آریہ مسافر صفحہ 14۔حصہ اوّل)

لیکن ہم اوپر پنڈت کلہن مصنف راج ترنگنی کا اختلاف اکبری زمانے کے دیگر پنڈتوں سے دکھا چکے ہیں۔پس ہمارے نزدیک یہ تمام بیانات ظنی اور حد یقین سے ساقط ہیں اور ہم قطعاً نہیں کہہ سکتے۔کہ پنڈت کلہن کا بیان صحیح اور یقینی ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ آریوں کو اپنی پرانی تاریخ بالکل فراموش ہوگئی ہے۔اس لئے وہ اٹکلوں سے کام لے رہے اور اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مار رہے ہیں۔نہ انہیں اپنا اصل وطن یاد ہے۔جہاں سے وہ نکل کر شمال اور مشرق کے ممالک میں آباد ہوئے۔نہ اُنہیں اپنی آبائی اور قدیم زبان سے آگاہی ہے کہ کیا تھی۔ان کی یہ لاعلمی اور ناواقفی اس حد تک بڑھی ہوئی ہے۔کہ وہ وید کی زبان کو جو قریباً اوستھا (زَرتشت نبی کی کتاب) کی زبان ہے۔اور آج سے 2500 سال پیشتر ایران۔افغانستان۔بلوچستان۔صوبہ سرحد اور پنجاب میں بولی جاتی تھی۔سنسکرت قرار دیتے ہیں۔حالانکہ سنسکرت کے معنی مصفی یعنی صاف کردہ کے ہیں۔اور یہ لفظ ہی ظاہر کرتا ہے۔کہ سنسکرت پہلی زبانوں کو صاف کرکے تیار ہوئی ہے۔اس لئے قدرتی طور سے بعد کے زمانے کی پیداوار ہے۔

اسی طرح نہ ان کو کل یگ کے اصل مفہوم کی خبر ہے۔اور نہ اس کے آغاز وانجام کا صحیح علم۔

(مطبوعہ الفضل 21 اگست 1930ء)

کلجگ کا آغاز کب ہوا(2)

ہندوؤں کے اکثر پنڈت تو یہ کہتے ہیں۔کہ کل یگ کے آغاز پر پانچ ہزار برس کا زمانہ گذر گیا۔لیکن پنڈت کلہن کی رائے الگ ہے۔اوراسی کو پنڈت لیکھرام آنجہانی نے دوسرے پنڈتوں کے قول پر ترجیح دیکر پسند کیا ہے۔پنڈت کلہن راج ترنگنی (تاریخ کشمیر) میں لکھتا ہے۔کل یگ کا آغاز یدھیشٹر کی تخت نشینی سے 663 برس پہلے ہوا۔نہ کہ یدھیشٹر کی تخت نشینی سے جسے قریباً پانچ ہزار سال ہوئے ہیں۔ظاہر ہے کہ کسی یگ کا آغاز کسی عظیم الشان تاریخی انقلاب کے ساتھ ہونا چاہئے۔عام پنڈت تو کل یگ کا آغاز جنگ مہابھارت یا یدھیشٹر کی تخت نشینی سے قرار دیتے ہیں۔لیکن پنڈت کلہن کو عجیب سوجھی۔کہ اس نے اٹکل پچو طریق پر کل یگ کا آغاز مہابھارت کی جنگ سے 663 برس پیشتر قرار دے دیا۔حالانکہ اس وقت کوئی تاریخ انقلاب ظہور میں نہیں آیا۔پنڈت لیکھرام کی قوتِ فیصلہ پر افسوس ہے کہ انہوں نے اول تو دوسرے پنڈتوں کا ہم آہنگ ہو کر کل یگ کے آغاز کا سال یدھشٹر کی تخت نشینی کے سال کو ہی قرار دیا۔لیکن فوراً جب پنڈت کلہن کی غیر مستند تحریر ان کو نظر پڑی تو اپنی سابقہ غلطی کا اقرار کر کے لکھ دیا۔کل یگ کا آغاز یدھیشٹر سے 663 سال قبل ہوا تھا۔

اصل بات یہ ہے کہ کسی پنڈت یا جوتشی کا قول بھی اس بارے میں سند نہیں۔اور تمام جوتشیوں اور پنڈتوں کے اقوال ظنی ہیں۔کوئی بھی حد یقین تک پہنچا ہوا نہیں۔اس لئے کوئی ہوشمند مورّخ کسی ایک قول کو مستند نہیں گردان سکتا۔ان جوتشیوں کو سخت دھوکا لگا ہے۔وہ یہ سمجھے بیٹھے ہیں۔(گو پنڈت کلہن کا قول ان کے مخالف ہے) کہ کل یگ کا آغاز مسیح علیہ السلام سے 3000 سال پیشتر ہوا تھا۔لیکن اگر بجائے اس کے وہ یوں کہتے۔کہ کل یگ کا آغاز یدھیشٹر سے 3000 سال پیشتر ہوا۔تو یہ بات الہامی کتابوں کے مطابق ہوتی ہے۔کیونکہ یدھیشٹر سے 3000 سال پیشتر آدم علیہ السلام کی پیدائش ہوئی تھی۔اور یدھیشٹر کا زمانہ آج سے 3000 سال پیشتر تھا۔اور یہ حقیقت ہے۔کہ آدم کی پیدائش پر اس وقت 6040 سال گذر چکے ہیں۔اور 1891ء میں آدم علیہ السلام کی پیدائش سے پورے چھ ہزار سال گذر چکے تھے۔جبکہ حضرت مسیح

موعود علیہ السلام نے اپنے دعوی کا اعلان کیا۔

ہندوؤں کے پاس چونکہ مدت دراز سے کوئی الہامی کتاب نہیں۔اور نہ ڈھائی ہزار سال سے اس قوم میں کوئی نبی پیدا ہوا۔اس لئے ان میں معارفِ روحانیہ اور علوم صحیحہ کی سمجھ باقی نہیں رہی۔نہ اصل ویدان کے پاس ہے۔اور نہ اصل گیتا۔اور نہ اور کسی نبی کی کوئی اصل کتاب۔کل یگ کے آغاز کے متعلق ان کو محض سنی سنائی زبانی روایت یاد رہی۔مگر یہ یاد نہ رہا۔کہ کس وقت سے اسے شمار کرنا چاہئے۔حقیقت میں وہ آدم علیہ السلام کا نام بھی بھول گئے۔پھر ان کا زمانہ کیسے یاد رہتا۔تب ان کے پنڈتوں نے علم جوتش کے ذریعہ اٹکل پچو قرار دیا کہ کل یگ کا آغاز یدھیشٹر کی تخت نشینی سے ہوا تھا۔لیکن مشکل یہ آن پڑی کہ غریبوں کو یدھیشٹر کی تخت نشینی کا صحیح سن بھی معلوم نہیں۔بڑے بڑے مؤرّخ تسلیم کرتے ہیں۔کہ یدھیشٹر کی تخت نشینی اور جنگ مہا بھارت کا واقعہ مسیح سے 1000 سال پیشتر ہوا تھا۔لیکن ہندو اس مقدمے میں بھی بلا کسی معتبر گواہوں کی شہادت کے یہ رَٹ لگائے جاتے ہیں کہ مہا بھارت کا واقعہ یا یدھیشٹر کی تخت نشینی مسیح سے 3000 سال پیشتر تھی۔

(دیکھو کلیات آریہ مسافر صفحہ 7)

اب اس بات کا بیان کرنا باقی ہے۔کہ مسلمان کس بنا پر آدم علیہ السلام کے زمانے سے کلجگ کا شمار کرتے ہیں۔سو واضح ہو کہ آدم علیہ السلام کا پیدا ہونا حدیثوں کی رو سے اور بعض اولیا سابقہ کے مکاشفات کی بناء پر قربِ قیامت کی دلیل قرار دیا گیا ہے۔اور کسی مسلمان کو اس سے انکار نہیں۔حضرت محی الدین صاحب ابن عربی علیہ الرحمۃ کا ایک مشہور کشف ہے۔اس میں ہمارے آدمؑ کا پیدا ہونا جس کو 6040 سال کا عرصہ گزرا ہے۔قربِ قیامت کی علامت بتلایا گیا ہے۔پھر حضرت محمد ﷺ کا ظہور بھی تمام مسلمانوں کے نزدیک مسلمہ طور پر قربِ قیامت کی نشانی ہے۔سب سے آخر میں دجال کا خروج اور مسیح موعودؑ کا ظہور قیامت کی زبردست نشانیاں ہیں۔جن کو مسلمانوں کا بچہ بچہ جانتا ہے۔غرضیکہ یہ بات مسلمانوں میں عام طور پر تسلیم شدہ ہے۔کہ ہمارے آدم یعنی دورِ موجودہ کے آدم جنکی پیدائش پر اس وقت 6040 سال گذر چکے ہیں۔یہ سب سے اول قربِ قیامت کی نشانی ہے۔اور چونکہ کل یگ کے معنے بھی ہلاکت کا دور ہیں۔یعنی وہ دور جس کے آخر میں عالمگیر ہلاکت آنے والی ہے۔اِس لئے بلاشُبہ یہ دور جس کا آغاز آدمؑ کی پیدائش کے ساتھ ہوا۔کل یگ ہے۔اور یہی ثابت کرنا مقصود تھا۔

شاید سوال کیا جائے گا۔ کس طرح معلوم ہوا کہ 1891ء میں چھٹا ہزار آدمؑ کی پیدائش سے ختم ہو گیا تھا۔ سو اس کے جواب میں عرض ہے۔ کہ ہمیں قرآن شریف کی سورۃ العصر کے اعداد سے وہ زمانہ معلوم ہوتا ہے۔ جو آدمؑ کی پیدائش سے آنحضرت ﷺ کی پیدائش تک گزرا تھا۔ اور سورۃ مذکورۃ العصر کے اعداد کو بحساب جمل جمع کرنے سے کل اعداد کا مجموعہ 4639 بنتا ہے۔ اس میں 53 سال (از پیدائش آنحضرت ﷺ تا ہجرت) جمع کریں۔ تو 4692 بنتے ہیں۔ واقعہ ہجرت سے 1891ء تک 1308 سال ہوتے ہیں۔ پس 4692 میں 1308 سال جمع کریں۔ تو پورے 6000 سال بنتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہوا کہ 1808 ہجری مطابق 1891ء میں پیدائش آدمؑ سے لیکر چھ ہزار سال گزر چکے تھے۔ اور آدمؑ کی پیدائش کل یگ کا آغاز ہے۔ جس سے ہندو قوم بالکل بے خبر ہے۔ ہاں ہم انہیں معذور سمجھتے ہیں۔ اس لئے ان کے آگے محبت اور پیار سے حقائق و معارف کا ذخیرہ چنتے ہیں۔ تا کہ وہ دیکھیں۔ کہ قرآن کریم نے دنیا پر کیسے کیسے احسانات علمی و عقلی و روحانی رنگ میں کئے ہیں۔ **و لنعم ما قیل**

ہمیں کچھ کیں نہیں بھائیو، نصیحت ہے غریبانہ
کوئی جو پاک دل ہووے دل و جاں اس پہ قرباں ہے

(مطبوعہ الفضل ۲۸ اگست ۱۹۳۰ء)

سومنات کی سیر

1940ء میں ایک ایسی تقریب پیدا ہوگئی۔ کہ مجھے کاٹھیاوار کی مشہور ومعروف اسلامی ریاست جونا گڑھ میں جانا پڑا۔ جونا گڑھ ایک پرانا شہر ہے اور ایک پرانی ریاست کا دارالحکومت ہے۔ شہر کے گرد پختہ فصیل اب تک موجود ہے۔ مکانات اور باغات بہت خوب صورت ہیں۔ ایک میل پر گرنار پہاڑ ہے جو بہت اونچا نہیں ہے۔ اس کی پانچ چوٹیوں پر جینیوں (جین مَت) کے خوبصورت مندر بنے ہوئے ہیں۔ اس کے دامن میں وہ تاریخی چٹان ہے۔ جس پر دو زبانوں میں کتبہ لکھا ہوا ہے۔ اوپر پالی زبان کی عبارت ہے۔ جو مہاراجہ اشوک نے کندہ کرائی تھی۔ اور نیچے سمندر، گپت کی لکھوائی ہوئی عبارت سنسکرت زبان میں ہے۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ موجودہ سنسکرت پالی کے بعد ظہور میں آئی۔ اگر بدھ مت کے آغاز میں بھی سنسکرت ہندوستان کی لینگوا فرینکا ہوتی تو مہاراجہ اَشوک پالی زبان میں سنگی کتبے کیوں نصب کراتے۔ سارا کاٹھیاوار تاریخی مقامات سے بھرا پڑا ہے۔ اسی کے ساحل پر دَوارکا اور سومنات جیسے تاریخی مقام ہیں۔ دَوارکا وہ مقدّس شہر ہے۔ جہاں سری کرشنؑ جی کے آباؤ اجداد جو جادو بنسی کہلاتے تھے۔ حکمرانی کرتے تھے۔ اور گو سری کرشنؑ جی کی پیدائش شہر متھرا میں ہوئی۔ اور بندرابن میں وہ پل کر جوان ہوئے تھے۔ لیکن بقیہ عمران کو دَوارکا میں ہی گذارنی پڑی۔ جو ان کا اصل وطن تھا۔ اسی علاقہ میں قصبہ سومنات سے باہر ان کا مدفن ہے۔ جس کا مفصل بیان آگے آئے گا۔

کاٹھیاوار کا طرز معاشرت

جونا گڑھ میں میرا قیام چھ ماہ رہا۔ وہاں کی زبان گجراتی ہے۔ گو اُردو سمجھی جاتی ہے۔ لیکن بولی کم جاتی ہے۔ چائے پینے کا رواج عام ہے۔ غریب سے امیر تک چائے کا عادی ہے۔ صبح سے شام دور چلتا رہتا ہے۔ سابق قلعہ سومنات اور موجودہ قصبہ سومنات جونا گڑھ سے قریباً چالیس میل کے فاصلہ پر عین سمندر کے کنارے ہے۔ میں صبح سویرے اسٹیشن جونا گڑھ پہنچا۔ اور بندرگاہ دیروال کا ٹکٹ لیا۔ جو اس ریلوے کا

آخری اسٹیشن ہے۔ دیروال سے قصبہ سومنات تین میل جانب غرب ہے۔ دوپہر کا وقت اور ستمبر کا مہینہ تھا۔ کہ میں دیروال پہنچا۔ اور تانگہ میں سومنات کی زیارت کے لئے روانہ ہو گیا۔

ہمارے دائیں ہاتھ سمندر تھا اور بائیں جانب پتھریلی زمین۔ اس زمین پر ایک ناہموار سی پختہ سڑک مجھے آدھ گھنٹہ میں سومنات کے دروازہ پر لے گئی۔ سڑک کے بائیں طرف میل ڈیڑھ میل قبور ہی قبور نظر آتی تھیں۔ یہ قبور ان بہادروں کی ہیں۔ جنہوں نے محمود غزنوی اور سلاطین بعد کے زمانوں میں مختلف لڑائیوں میں لڑ کر فتح پائی۔ قصبہ سے باہر ایک چار دیواری کے اندر دو سگے بھائیوں کی ایک پختہ قبر ہے۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ ایک نام ظفر اور دوسرے کا نام مظفر تھا۔ ان دونوں بھائیوں نے ہاتھیوں پر سوار ہو کر سومنات کا لوہے والا اور سرخ آتشیں دروازہ توڑا تھا۔ اور ساتھ ہی آپ بھی معہ اپنے ہاتھیوں کے ڈھیر ہو کر رہ گئے تھے۔

موجودہ قصبہ سومنات

موجودہ سومنات ایک قصبہ ہے۔ لیکن سلطان محمود غزنوی کے حملہ کے وقت یہ ایک مستحکم قلعہ تھا۔ جس کے اندر ایک خوبصورت مندر دیوار سے تقریباً چالیس گز پیچھے ہٹا ہوا ہے۔ مندر کے پاس جا کر دیکھا تو اتھاہ تھا۔ جو شیو جی کے نام پر تعمیر کیا گیا تھا۔ سومنات دراصل سوم ناتھ ہے۔ سوم کے معنے چاند اور ناتھ کے معنے مالک کے ہیں۔ شیو جی کی جو تصویر بنائی جاتی ہے۔ اس کے ماتھے پر ہلال دکھایا جاتا ہے۔ اسی ہلال کی وجہ سے شیو جی کا کا نام سومنات مشہور ہوا۔ قلعہ سومنات دراصل شہر پر بھاس پٹن کا قلعہ تھا۔ اسی میں مندر تھا۔ پر بھاس پٹن اس قلعہ کے متصل ایک شہر تھا۔ اگرچہ اس وقت موجود نہیں۔ ہاں قلعہ سومنات اب قصبہ سومنات بن کر رہ گیا ہے۔ میں قصبہ میں اسی دروازہ سے داخل ہوا۔ جس کو مظفر اور ظفر کے ہاتھیوں نے توڑا تھا۔ دروازہ کے باہر ایک چبوترہ ہے۔ جس پر ان دو ہاتھیوں کی قبریں بنی ہوئی ہیں۔ اس قصبہ کی ہیئت کذائی دیکھ کر یہ گمان نہ ہوتا تھا۔ کہ یہ وہی سومنات ہے۔ جس کی دھاک تمام ہندوستان میں بیٹھی ہوئی تھی۔ اور جس کی فتح کے لئے محمود کی فوجیں ہزاروں میل کا فاصلہ طے کر کے اور جاں ہتھلیوں پر رکھ کر حملہ آور ہوئی تھیں۔ قصبہ کے اندر کوئی پختہ سڑک نہیں۔ جگہ جگہ خس وخاشاک سے پر تھی۔ صفائی نام کو نہ تھی۔ اس قصبہ کی آبادی ہندو مسلم ہر دو پر مشتمل ہے۔ سومنات کا مندر پچھواڑے میں واقع ہے۔ اگلے زمانہ میں مندر کی پچھلی دیوار سمندر

کے اندر کھڑی تھی۔لیکن اب میں نے دیکھا تو سمندر کے ایک طرف کھنڈر پایا۔

سومنات کا شکستہ مندر

مندر کے آثار ظاہر کرتے ہیں کہ اس کی شکل ایک مثمن کی تھی۔ اور اس کے دو درجے تھے۔ اندرونی درجہ جواب بھی قائم ہے بجز چھت کے (چھت کا وسطی حصہ (اُفتادہ ہے) مثمن ہی کی شکل ہے۔ باہر کا درجہ باقی نہیں رہا۔سوائے بعض جگہوں کے۔ دونوں درجوں کے درمیان جو ہشت پہلو گردش تھی۔ وہ مندر کے گرد طواف کرنے کے لئے مقصود تھی۔ ہندوؤں اور بدھوں میں طواف کی رسم طوافِ کعبہ کی نقل ہے۔ محمد بن قاسم نے جب ملتان فتح کیا۔تو وہاں بدھوں کا ایک مندر تھا۔ جہاں دور دراز سے لوگ یاترا کے لئے آیا کرتے تھے۔ مندر کے گرد طواف کرتے تھے اور بھدرا (کریا کرم) کراتے تھے۔

سومنات کا مندر سخت سنگ خار سے بنا ہوا ہے۔ باوجود دو ہزار سال کا عرصہ گزرنے کے اس پر دھوپ اور بارش کا کوئی ضرررساں اثر نہیں ہوا۔ مندر کی سیر کے وقت میرے ہمراہ جامع مسجد قلعہ سومنات کے امام صاحب اور ایک پنڈت صاحب تھے۔ وہ مجھے حالات سناتے رہے۔

(مطبوعہ الفضل ۶ جولائی ۱۹۴۶ء)

سومنات کے مندر کے پاس
حضرت کرشن جی کا مدفن

سومنات کے مندر دیکھنے کے بعد ہم قصبہ سے باہر نکل کر ایک جگہ پہنچے۔ جہاں ایک وسیع احاطہ کے اندر ہنود کا ایک اور مندر تھا۔ اور اس کے اندر جانے کی ممانعت تھی۔ اس احاطہ کے پچھواڑے میں شمال کی جانب دو زیارتیں مجھے دکھائی گئیں۔ ایک تو کسی مسلمان ولی کی قبر تھی۔ اس کے تین چار گز کے فاصلے پر ایک سفید جگہ تھی۔ جس پر ایک پیپل کا درخت تھا۔ پنڈت صاحب جو میرے ہمراہ تھے۔ مجھ سے مخاطب ہو کر بولے۔ دیکھئے یہ وہ جگہ ہے۔ جہاں سری کرشن جی مہاراج نے وفات پائی تھی۔ اس کا نام (*Dehat Sarg*) ''دیہت سرگ'' بتایا گیا۔ جس کے معنے ہیں انفصالِ روح از جسم۔ میں نے اس جگہ کو دیکھنے کے بعد کہا یہی آپ کا مدفن ہوگا۔ کیونکہ وہ جگہ جہاں کسی نبی یا ولی کا انتقال ہوا ہو۔ اس قدر قابل تعظیم نہیں ہوسکتی۔ جتنی وہ جگہ جہاں کوئی مقدس انسان دفن ہوا ہو۔ دوسرا ثبوت اس جگہ کے مدفن کرشن ہونے کا یہ ہے۔ کہ اس جگہ سے ڈیڑھ میل کے فاصلہ پر ایک اور مقام ہے۔ جہاں سری کرشن جی کے پاؤں میں تیر لگا تھا۔ اور عام ہندو روایت کے مطابق اسی جگہ سری کرشن جی جاں بحق ہوگئے تھے۔ پس آپ کے وفات پانے کی جگہ تو وہ مندر ہے۔ جس میں سری کرشن جی کی مورتی بھی رکھی ہوئی ہے۔ جو بعینہٖ ان کی وفات کے وقت کی صحیح تصویر ہے۔ یعنی اس مورتی کے پاؤں میں تیر چبھا ہوا ہے۔ اور خون نکل کر بہہ رہا ہے۔ اس مندر کا نام بھیلکا تیرتھ ہے۔ اور اگر بالفرض تسلیم بھی کر لیا جائے۔ کہ دیہت سرگ وہ جگہ ہے۔ جہاں انہوں نے وفات پائی۔ تو بھی یہ ماننا پڑیگا۔ کہ اسی جگہ ان کو دفن بھی کر دیا ہوگا۔ کیونکہ کسی روایت نے ان کے مدفن کا کوئی دوسرا نشان نہیں بتایا۔

سری کرشن جی کی وفات کیسے ہوئی:

سری کرشن جی کی وفات کے متعلق یہ روایت زبان زد خلائق ہے۔ کہ وہ سندھ کے حملوں سے تنگ آ کر

اپنے اصلی وطن دوارکا میں چلے آئے تھے۔اور یہاں آ کر اپنی موروثی ریاست کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لے لی تھی۔ان کی قوم جو جادو بنسی کہلاتی اور اس علاقہ میں آباد تھی۔اسکے متعلق یہ روایت ہے کہ اس میں پھوٹ پڑ گئی تھی۔اس پھوٹ کی وجہ اور کیا ہو سکتی ہے۔کہ سری کرشن جی اپنے زمانہ کے اوتار یعنی نبی تھے۔اور ہر نبی بشیر ونذیر ہوتا ہے۔ان کا مشن ہندوستان میں توحید کا پرچار تھا۔اس پرچار کا لازمی نتیجہ قوم کے اندر تفریق وتنازع اور تخاصم کا پیدا ہونا تھا۔چنانچہ دونوں فریقوں میں جنگ و جدال تک نوبت پہنچ گئی۔اور آخری یدھ میں سری کرشن جی مہاراج بذات خود شریک ہوئے طرفین میں سخت خونریزی ہوئی۔لاکھوں افراد ہلاک ہو گئے۔ان ناشدنی واقعات سے افسردہ خاطر ہو کر سری کرشن جی مہاراج اپنے وطن کو چھوڑ اور راج پاٹ پر لات مار کر بن کی طرف چل پڑے۔اور پھرتے پھراتے سومنات کے قریب ایک کجلی بَن (ہاتھیوں کا جنگل) میں آ نکلے۔چونکہ تھکے ماندے تھے۔اس لئے آرام کرنے کی خاطر ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئے۔اس طرح کہ ایک پاؤں دوسرے گھٹنے پر ٹکا ہوا تھا۔آپ کے پاؤں میں پدم (یعنی روشن نشان) تھا۔سامنے سمندر بہتا تھا۔سمندر کے کنارے ایک بھیل یا اہیر شکار کی تلاش میں پھر رہا تھا۔اس نے دور سے جو اس پدم کو دیکھا۔تو خیال کیا کہ ہرن کی آنکھ چمک رہی ہے۔یہ خیال کر کے اس نے نشانہ لگایا۔اور تیر ٹھیک نشانہ پر بیٹھا۔جس سے مہاراج جانبر نہ ہو سکے۔اور وہیں جاں بحق ہو گئے۔ایک ہندی شاعر نے اس واقعہ کو یوں نظم کیا ہے۔

کرشن مراری جائے دوارکا ایسا دور چلایا
جادو ونش میں پھوٹ پڑی آپس میں یدھ رچایا
بری ہتھیلی چھپے مراری نکل یدھ سے گئے
ایک ایہڑے تیر جو مارا پران مکت ہو گئے

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وفات کے بعد قریب کے لوگ آپ کی لاش اٹھا کر پر بھاس پٹن لے آئے۔اور وہیں آپ کو دفن کر دیا۔پس یہ جگہ جس کو اب دیہت سرگ کہا جاتا ہے۔یہی آپ کا مدفن ہے۔

میرے ہمراہی پنڈت صاحب نے فرمایا۔کہ یہاں لوگ زیارت کے لئے آیا کرتے تھے۔چونکہ اس کے بالکل قریب ایک مسلمان کی قبر ہے۔اس لئے مسلمان ہندوؤں کو اس استھان کی زیارت سے روکتے تھے۔اس پر دونوں قوموں میں تنازع ہوا۔اور طرفین کے پچاس آدمی مارے گئے۔آخر نواب صاحب جونا

گڑھ نے جواس علاقہ کے حاکم ہیں حکم دے دیا۔ کہ کوئی مسلمان قبر کی زیارت کے لئے نہ آئے۔ اور نہ کوئی ہندو سری کرشن کے مدفن کے پاس آئے۔ پنڈت صاحب کی زبانی یہ کہانی سن کر میں نے کہا۔ یہ کرشن جی کی قبر ہے۔ ان کا خیال تھا۔ کہ ہندو لوگ تو مردوں کو جلاتے ہیں۔ اور اس جگہ ان کے خیال میں سری کرشن جی کو جلایا گیا ہوگا۔ مگر میں نے کہا نہیں اس زمانہ میں دفن کرنے کا رواج تھا۔ چنانچہ 1909ء میں حضرت گوتم بدھ کی ہڈیاں پشاور کے پاس ایک جگہ سے ملی تھیں۔ جس سے معلوم ہوا۔ کہ گوتم بدھ بھی دفن ہوئے۔ اور سری کرشن جی گوتم بدھ سے چند صدیاں پہلے گزرے ہیں۔ علاوہ ازیں ہندوؤں میں یہ رواج عام طور پر چلا آتا ہے کہ سنیاسیوں، سادھوں اور بچوں کو معصوم سمجھ کر آگ میں نہیں جلاتے۔ پھر یہ کیونکر ہوسکتا ہے۔ کہ سری کرشن یا گوتم بدھ جیسے اوتاروں کی لاشوں کو آگ کی نذر کیا جاتا۔ علاوہ ازیں یہ بھی تو دیکھنا چاہئے کہ مہابھارت کے زمانے کے دیگر رشیوں اور مقدسوں کے جلانے کا تو کسی کتاب میں ذکر بھی نہیں۔ کورو پانڈو یدھ میں جتنے بڑے بڑے اور مہاپرش قتل ہوئے وہ سب زیر زمین ہی دفن ہوئے کیونکہ ان میں سے کسی کے آگ میں جلانے کا ذکر نہیں۔ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ جلانے کا رواج عام دو ہزار سال سے ہوا ہے۔ اور سنئے:۔

رامائن میں ذکر آتا ہے۔ کہ رام چندر جی جب سیتا کی تلاش میں چلے جا رہے تھے۔ تو ایک راکشش مسمی کابندھ نے ان کا مقابلہ کیا۔ رام چندر جی نے اس کو مار ڈالا۔ اور اسے زمین کے اندر دفن کیا۔ جس سے ثابت ہے کہ اس زمانے میں آریہ لوگ مردوں کو دفن کرتے تھے۔ علاوہ ازیں رگوید اور اتھروید کے منتروں سے بھی رسم تدفین کا ثبوت ملتا ہے۔ ایک منتر میں ایک مردہ کو دفن کرتے وقت مخاطب کیا گیا ہے۔

''اے مرنے والے اس فراخ زمین میں جو بمنزلہ تیری ماتا ہے۔ چلا جا۔ تیری ماتا بہت کشادہ اور سندر ہے۔ خدا کرے کہ اس کا مس تجھے ایسا نرم معلوم ہو۔ جیسا کہ پشم یا استری کا ہاتھ ہوتا ہے۔ تم نے بھگیائیں تیار کی ہیں۔ ایسا ہو کہ تیری ماتا یعنی قبر تجھے گناہوں کے خمیازہ سے بچالے۔ اچھی طرح سے اس کی حفاظت کرنے والی بن جا۔ اور یوں اس کو ڈھانپ لے جیسے ماں بچے کو ڈھانپ لیتی ہے۔ دھرتی ماتا تو مرنے والے کے لئے کھل جا اور اسے نہ بھینچ''

(رگ وید منڈل نمبر 10 سوکت نمبر 18 منتر نمبر 10، 11 اتھروید کانڈ 18 انوواک 3 منتر......)

اسی رگ وید نے بتایا ہے۔ کہ بعض لوگوں کو جلایا بھی جاتا تھا۔ لیکن یہ لوگ کون ہوتے تھے؟ وہی جو مہا

پاپی ہوں۔اوران کا آ گ میں جلانا اس غرض سے ہوتا تھا۔کہ تا اگنی ان کو گناہوں سے پاک کردے۔

چنانچہ رگوید منڈل10 سوکت15 منتر14۔کانڈ18 انوواک2 منتر34 میں دوقسم کے پتروں کا ذکر ہے۔ایک وہ جن کو زمین میں دفن کیا گیا۔اور دوسرے وہ جن کو آ گ میں۔لچھوی قوم کے لوگوں میں خصوصاً مردہ دفن کرنے کا رواج بہت دیرتک رہا۔اگر خوف طوالت نہ ہوتا۔تو میں مفصل بیان سے ثابت کردیتا کہ قدیم پارسی۔یونانی۔رومی چینی اور سب قومیں مردوں کو دفن کیا کرتی تھیں۔اور جن قوموں میں انبیاءآئے وہ تو کسی صورت میں تحریق یعنی جلانے کی رسم کو گوارا کرہی نہیں سکتی تھیں۔پھر سری کرشن جی جو پوتر اورمقدس اوتاراورخدا کے نبی تھے۔ان کے پاک جسم کو جلانے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔پس دیہہ سرگ کا نشان جو سومنات سے ایک میل شمال کی جانب ہے۔وہ سری کرشن جی کا مدفن ہے۔

(مطبوعہ الفضل ۱۵ جولائی ۱۹۴۶ء)

مذہبی تحقیقات میں جدید انکشاف

سناتن دھرم اور اسلام میں قرابت

پرانوں کے مذہب کی رُو سے سناتن دھرمی ہندو تین بڑے آدمیوں یا دیوتاؤں کا ماننا ضروری سمجھتے ہیں۔جن کے نام مندرجہ ذیل ہیں۔

برہما۔ویشنو۔شیو

ہندوؤں کو چونکہ اپنی پرانی صحیح تاریخ یادنہیں۔اس لئے ان کے مذہب میں خصوصاً پرانوں میں بہت سے فرضی قصّے درج ہو گئے ہیں۔لیکن ان ریت کے ٹیلوں میں کہیں کہیں سونے کے ذرّات بھی نظر آ جاتے ہیں۔ چنانچہ اگر غور سے دیکھا جائے تو ظاہر ہوگا کہ ہندو تر مورتی کے تین دیوتا۔ برہما۔ ویشنو۔اور شیو، دراصل پیغمبروں اور ایک پیغمبر زادے کے نام ہیں۔

برہما صاف طور پر ابراہیم علیہ السلام کا نام ہے اور میں نے اپنی کتاب تحفہ ہندو یورپ میں تاریخی شواہد اور دلائل عقلیہ اور قرآن وحدیث سے ثابت کیا ہے۔کہ برہما سوائے حضرت ابراہیمؑ کے اور کوئی شخص نہیں گذرا۔اور وَید ایک صحیفہ ابراہیمی تھا۔نہ کوئی اور کتاب۔

وِشنو دراصل ویش نوحؑ ہے۔یعنی حضرت نوحؑ کا نام ہے۔اس کے ساتھ ویش کا لفظ اس لئے بڑھا دیا گیا۔کہ درحقیقت حضرت نوحؑ نے نجاری کا کام بحکم خداوندی سیکھا تھا اور طوفان سے بچاؤ کے لئے وہ بڑی کشتی تیار کی تھی۔جس کا ذکر قرآن شریف اور بائیبل میں ہے۔فَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِ أَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ بِأَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا فَإِذَا جَاءَ أَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّورُ فَاسْلُكْ فِيهَا مِن كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَأَهْلَكَ إِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ مِنْهُمْ وَلَا تُخَاطِبْنِي فِي الَّذِينَ ظَلَمُوا إِنَّهُم مُّغْرَقُونَ (سورة المؤمنون 28)۔ یعنی اے نوح تو ہماری آنکھوں کے سامنے اور ہماری وحی کے مطابق کشتی بنا۔اس لحاظ سے حضرت نوح ویش تھے۔

شیو دراصل ایشو ہے۔کتب اسلامیہ اور بائیبل سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایشو حضرت یعقوب علیہ السلام

کے بڑے بھائی اور حضرت اسحٰق بن ابراہیم علیہما السلام کے فرزند اکبر تھے۔ آپ کی اولاد سے حضرت ایوبؑ، حضرت زرتشتؑ، حضرت کرشنؑ وغیرہ اَنبیاء ہوئے ہیں۔ اور تحفہ ہندو یورپ میں میں نے وضاحت کے ساتھ ثابت کر دیا ہے۔ کہ تمام آرمین قومیں (پارسی، فرنگی، ہندی) حضرت ایشو کی اولاد سے ہیں۔

آریوں نے اپنے مورث اعلیٰ کا نام خوب یاد رکھا ہے۔ مگر افسوس انہیں اپنا قدیم وطن یاد نہیں رہا، جو ملک شام تھا۔ اور جہاں سے وہ ہجرت کر کے یورپ۔ ایران۔ ہندوستان اور مغربی چین میں آباد ہوئے۔

امید ہے کہ اس انکشاف کے بعد ہمارے سناتن دھرمی اور آریہ سماجی بھائی اس تعصب کو قطعی طور سے خیر باد کہہ دیں گے جوان کو اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ ہے۔ وہ برہما۔ یعنی حضرت ابراہیمؑ کی اولاد سے ہیں۔ اس لئے ایشو یعنی شیو جی کو اپنا مانتے ہیں۔ پھر انہیں اور مسلمانوں میں از رُوئے نسب کچھ فرق نہ رہا۔ اس طرح مذہبی اختلاف بھی نہایت آسانی سے دور ہوسکتا ہے کیونکہ پرانی مقدس کتابوں مثل بائیبل اور قرآن شریف کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نوحؑ اور حضرت ابراہیمؑ اور آپ کی اولاد بت پرستی کی سخت دشمن تھی۔ اور بتوں کی شکل تک سے بیزار۔ پھر ہندوؤں خصوصاً سناتن دھرمیوں نے کس بنا پر مورتی پوجا کو جائز رکھا ہے۔ بلکہ انہوں نے تو اس قدر کمال دکھایا ہے کہ انہی تین بزرگوں کو خدا سمجھ لیا ہے۔ اور ان کی مورتیاں بنا کر اپنے مندروں کو زینت دے رکھی ہے۔

مسلمانوں کو یہی لازم ہے۔ کہ ہندوؤں کی تاریخی، تمدنی اور مذہبی غلطیاں نکال کر نرمی سے ان کو سمجھاتے رہیں۔ چھوٹی چھوٹی باتوں سے بڑے بڑے نتیجے ظہور میں آجاتے ہیں۔ مایوس ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔

(الفضل ۲۱ جنوری ۱۹۳۰ء)

ابراہیمی سلسلہ کی تین شاخیں

(قسط نمبر ۱)

یہ وہ برکت ہے جو موسیٰ مرد خدا نے اپنے مرنے سے آگے بنی اسرائیل کو بخشی اور اس نے کہا کہ خداوند سینا سے آیا اور شعیر سے ان پر طلوع ہوا۔ فاران کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا۔ دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ آیا۔ اور اس کے داہنے ہاتھ ایک آتشی شریعت ان کے لیے تھی۔

ان دو آیات میں ایک زبردست پیشگوئی بیان کی گئی ہے۔ جو وحی الٰہی کی مظہر ہے۔ اس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد آپ کی نسل میں تین مبارک سلسلوں کے قیام کی خبر دی گئی ہے۔ نمبر اوّل پر اس سلسلے کا ذکر ہے۔ جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت کے ساتھ شروع ہوا۔ کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو سینا پہاڑ پر نبوت ملی۔ یہ سلسلہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے شروع ہوا اور مسیح ناصری پر جا کر ختم ہوا۔

نمبر دوم پر اس سلسلے کا ذکر ہے جس کا تعلق کوہ شعیر سے ہے۔ آج تک عام طور پر لوگوں نے کوہ شعیر کی وقعت کو نہیں سمجھا حالانکہ کوہ شعیر مقدس پہاڑی علاقہ ہے۔ جہاں سب سے اوّل بنی اسرائیل کے چچا زاد بھائیوں یعنی عیسو کی اولاد نے حکومت کی داغ بیل اس وقت ڈالی جب کہ بنی اسرائیل ابھی مصر میں قبطیوں کی غلامی میں ذلت کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ ان کی ریاست کا نام ادومیا تھا۔ ادوم عیسو کا لقب تھا۔ اور اس کے معنے سرخ کے ہیں۔ چونکہ عیسو کا رنگ سرخ تھا۔ ایسا سرخ جیسا کہ سرخ پشم اس لئے بائیبل میں اس کا نام ادوم ہے۔ بائیبل میں اس کی پیدائش کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے۔ اور جب اس کے جننے کے دن پورے ہوئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ اس کے پیٹ میں توّام ہیں۔ یعنی اسحاق کی بیوی ربقہ کے پیٹ میں) اور پہلا لال رنگ گویا پشم کا لباس ہے پیدا ہوا۔ اور انہوں نے اس کا نام عیسو رکھا۔ اس کے بعد اس کا بھائی پیدا ہوا۔ اور اس کا ہاتھ عیسو کی ایڑھی سے لگا ہوا تھا اور اس کا نام یعقوب رکھا گیا۔

(تورات کتاب پیدائش باب 25 تا 2)

بائیبل کے بیان سے ناظرین کو معلوم ہو گیا ہو گا۔ کہ عیسو حضرت یعقوب کا بڑا بھائی تھا۔ اور دونو کے حق

میں حضرت اسحاق علیہ السلام نے دُعا کی تھی۔ جو بائیبل میں مذکور ہے۔اس پیشگوئی کے سمجھنے کے لئے ان دونوں دُعاؤں پرغور کرنا بھی ضروری ہے۔حضرت یعقوب علیہ السلام کے لئے جو دُعا کی گئی۔وہ حسب ذیل ہے۔

دیکھ میرے بیٹے کی ریح اس کھیت کی ریح کی مانند ہے جس میں خداوند نے برکت بخشی ہے۔خدا آسمان کی اوس اور زمین کی چکنائی اور اناج اور مئے کی زیادتی تجھے بخشے۔قومیں تیری خدمت کریں۔گردنیں تیرے آگے جھکیں تو اپنے بھائیوں کا خداوند ہو۔اور تیری ماں کے بیٹے تیرے آگے خم ہوں ہر ایک جو تجھ پر لعنت کرے مطعون ہو مگر وہ جو تیرے لئے برکت چاہے،مبارک ہو۔

اس کے بعد عیسو کے لئے جو دُعا کی گئی۔وہ حسب ذیل ہے۔

دیکھ زمین کی چکنائی سے اور اوپر کے آسمان کی اوس سے ترا قیام ہوگا۔اور تو اپنی تلوار سے زندگانی بسر کرے گا اور اپنے بھائی کی خدمت کرے گا۔اور یوں ہوگا کہ جب تاج وتخت کا مالک ہوگا۔تو اس کا جوا اُپنی گردن سے توڑ کر پھینک دے گا۔

دونوں دُعاؤں کے الفاظ اور معانی میں جو فرق ہے۔وہ بیّن ہے۔حضرت یعقوب کے متعلق کہا گیا کہ قومیں تیری خدمت کریں۔گردنیں تیرے آگے جھکیں۔تو اپنے بھائیوں کا خداوند ہو۔لیکن عیسو کے متعلق کہا کہ تو اپنے بھائی کی خدمت کرے گا۔اور یوں ہوگا کہ جب تو تاج وتخت کا مالک ہوگا تو اس کا جوا اپنی گردن سے توڑ کر پھینک دے گا۔ماحاصل یہ کہ کچھ عرصہ تک عیسو کی اولاد بنی یعقوب کی خادم رہے گی۔پھر بادشاہت آجانے پر آزاد ہو جائے گی اور خادم ہونے کا مطلب صرف اس قدر ہے کہ یعقوب کو نبوّت ملے گی اور عیسو نبی نہیں ہوگا۔لہذا وہ اور اس کی اولاد کچھ عرصہ تک شرف نبوّت کی وجہ سے ان کی عزت کرے گی۔ لیکن جونہی کہ وہ برسر اقتدار ہو کر خود حکومت اور نبوت حاصل کر لیں گے۔تب وہ یعقوب کی خدمت کا جوا اُپنی گردن سے اتار پھینکیں گے اور تاریخ سے ثابت ہے کہ عیسو کی اولاد کو تیسری پشت میں حضرت ایوّب نبی بھی تھے۔اور بادشاہ بھی۔اور حضرت ایوّب کا عیسو کی اولاد سے ہونا جملہ تاریخوں میں مذکور ہے۔

(ناسخ التواریخ جلد اول اور تاریخ ابن واضح یعقوبی باب ملوک الشام)

حضرت ایوّب کا نسب نامہ یہ ہے۔ایوّب بن زارح بن رعویل بن عیسو۔(جس کو بائیبل میں ھنارہ لکھا ہے۔)

حضرت ایوّب جس ریاست یا مملکت کے بادشاہ تھے۔اس کا نام اَدومیا تھا۔اس کا دارالخلافہ بصریٰ تھا۔یہ علاقہ شمالی سرحدی عرب کا علاقہ تھا۔اس لئے بصرہ کا ذکر حدیثوں میں بھی آتا ہے۔وہاں کے باشندگان نے فنِ عمارت میں اور تجارت اور بین الاقوامی لین دین میں بڑی قابلیت کا ثبوت دیا تھا۔

(Helps to the study of the Bible page 83)

اوپر کے حوالہ سے یہ بھی ثابت ہوگیا۔کہ اَدومیا کی مملکت نہیں تھی۔بلکہ ایک مہذب ریاست تھی۔پس حضرت ایوّب پہلے بادشاہ اور نبی ہیں۔جو اس پیشگوئی کے مصداق ہیں جو حوالہ مندرجہ عنوان کی دوسری شق میں بیان کی گئی ہے۔اور جن سے آدومی سلسلہ کی نبیاد پڑی۔فقرہ شعیر سے ان پر طلوع ہوا''۔یعنی شعیر سے خداوند کا طلوع ہونا۔بنی اسرائیل کے لئے موجب فخر ومباہات ہے۔کیونکہ شعیر پر رہنے والے عیسو کی اولاد تھے۔اور عیسو کی اولاد کوئی غیر قوم نہیں بلکہ وہ بنی اسرائیل ہی کے گوشت اور پوت تھے۔اسی لئے پیشگوئی کے الفاظ میں ''شعیر سے ان پر طلوع ہوا'' کہا گیا۔

میں شروع میں کہہ آیا ہوں۔کہ پیشگوئی بائبل مذکورہ عنوان (استثنا باب23 آیت351) میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد تین الٰہی سلسلوں کے قیام کی خبر دی گئی ہے۔پہلا سلسلہ موسوی ہے۔اس کی خبر ان الفاظ میں ہے۔خداوند سینا سے آیا دوسرا سلسلہ اَدومی ہے۔جس کی خبر ان الفاظ میں ہے شعیر سے ان پر طلوع ہوا۔تیسرا سلسلہ محمدی ہے جس کی خبر ان الفاظ میں ہے۔فاران کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا۔

موسوی سلسلہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے شروع ہوا۔اور حضرت مسیح ناصری پر جا کر ختم ہوا۔اَدومی سلسلہ حضرت ایوب علیہ السلام سے شروع ہوا۔اور گوتم بدھ پر جا کر ختم ہوا۔محمدی سلسلہ حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ سے شروع ہوا۔اور مسیح قادیانی تک پہنچا اور یہی اس پیشگوئی کا مطلب تھا۔اگر کوہستان شعیر سے صرف ایک ہی نبی پیدا ہونا تھا تو اس کو موسوی سلسلہ اور محمدی سلسلہ کے ساتھ ذکر کرنا مناسب تھا۔

(الفضل ۳۱ جنوری ۱۹۳۹ء)

ابراہیمی سلسلہ کی تین شاخیں:

اس مضمون کی ایک قسط ۳۱ جنوری ۱۹۳۹ء ہے جبکہ
بقیہ مضمون قسط نمر۲ درج ذیل کیا جاتا ہے

مسلمان محققین کا نظریہ:

تاریخ جدید سے یہ اَمر واضح ہوگیا ہے کہ آریہ اقوام کا وطن اوّلین مغربی ایشیا تھا اور خاکسار نے ایک مستقل کتاب اردو اور انگریزی میں تصنیف کر کے دلائل سے ثابت کر دیا ہے کہ جملہ آرین اقوام عیسو کی اولاد سے ہیں۔ اور سچ پوچھو۔ تو میں نے کوئی نیا کام نہیں کیا پہلے بھی محقق مسلمان اسی نظریہ کے قائل رہے ہیں۔ مولانا نظامی گنجوی مصنّف سکندر نامہ سکندر کے باپ فیلقوس کے پارہ میں لکھتے ہیں۔

نوا میں تریں شاہ آفاق بود
نیا زادہِ عیص اسحاق بود

ترجمہ: فیلقوس بادشاہ ایک بڑا بادشاہ تھا۔ جس کا آئین جہان داری تمام بادشاہوں سے بڑھ کر نئی طرز کا تھا۔ اور (از روئے نسب) وہ عیسو پسر اسحاق علیہ السلام کا پوتا تھا۔

سکندر اور سکندر کا باپ یونانی تھے۔ اور یونانیوں کو اہل مغرب آریہ تسلیم کرتے ہیں۔ اور ہمارے ہندوستانی آریہ بھی سکندر کو فخر یہ طور پر آریہ کہتے ہیں۔ مگر سکندر نامہ کے مصنف نے جو ایک مسلمان عالم تھا بے تکلف لکھ دیا ہے کہ فیلقوس عیسو کا پوتا تھا۔ یعنی ایک آریہ کو عیسو کی اولاد کہا ہے۔ کیا ہم اس سے یہ نتیجہ نہ نکالیں کہ تمام آریہ عیسو کی اولاد ہیں۔

سکندر نامہ کے اس شعر سے یہ بات بھی مستنبط ہوتی ہے۔ کہ اسلام کے وسطی زمانہ میں عموماً علمائے اسلام آریہ قوموں مثلاً ایرانی، یونانی ہندوستانی۔ ان سب کو عیسو کی اولاد یا کم از کم ابراہیمی نسل سمجھتے تھے۔ کیونکہ اگر یہ عام خیال نہ ہوتا۔ تو سکندر نامے کے مصنف کو ایسا لکھنے کی جرأت نہ ہوتی۔ اس امر کا ثبوت علامہ شہرستانی کی

کتاب الملل والنحل سے بھی ملتا ہے۔ چنانچہ علامہ موصوف اہل ہنود کے متعلق حسب ذیل رقمطراز ہیں۔

قد ذکرنا ان الھند امة کبیرةً و ملةً عظیمة وأراھم مخلفةفمنھم ابراھمة وھم المنکرون للنبوت اصلاً ومنھم من یمیل الی الدھر ومنھم من یمیل الی الثا نویة وأقول ملة ابرا ھیم علیه السلام واکثر ھم علیٰ مذھب الصابئة ومنھم حکما ء علیٰ طریق الیونا نین علماً وعملاً۔

(الملل والنحل حصہ سوم مصنفہ محمد بن عبدالکریم شہرستانی المتوفی ۵۴۸ ہجری)

ترجمہ: ہم ذکر کر چکے ہیں۔ کہ ہندوایک بڑی مذہبی جماعت اور ایک عظیم الشان ملّت ہیں۔ان کے مذہبی خیالات مختلف قسم کے ہیں۔ان میں سے کچھ تو براہمہ (برہمو) ہیں۔ جونبوّتوں کو اصلاً نہیں مانتے۔بعض ان میں سے دہریت کی طرف مائل ہیں اور بعض ان میں سے شمولیت کی طرف مائل ہیں۔اور حضرت ابراہیم کے مذہب کے قائل ہیں۔اور ان کی اکثریت صابی مذہب کی پیرو ہے اور اُن میں حکماء بھی ہیں۔جن کا ازروئے علم وعمل وہی طریق ہے۔جو یونانی حکماء (سقراط وغیرہ) کا تھا۔

علامہ شہرستانی نے یہ کتاب چھٹی صدی ہجری یا بارھویں صدی مسیحی میں لکھی۔اور علامہ نظامی کا زمانہ بھی قریباً یہی ہے۔شہرستانی سے ایک صدی پیشتر علامہ اَبوریحان بیرونی نے ہندوستان کے چشم دید حالات پر ایک زبردست کتاب لکھی تھی۔جس کا نام ''کتاب الہند'' ہے۔وہ بھی اپنی کتاب میں ہندوؤں کے اعلیٰ طبقہ کی نسبت اسی قسم کا خیال ظاہر کرتے ہیں، ملاحظہ ہو۔

ہر قوم میں تعلیم یافتہ اور غیر تعلیم یافتہ لوگوں کے عقائد میں ضرور فرق ہوتا ہے۔ ہندوؤں کا عقیدہ خدا تعالیٰ کے باب میں یہ ہے۔کہ وہ واحد اَزلی اَبدی اوّلُ اور آخر فُعال لِمَا یُرِیدُ۔قادرِ مطلق۔علیم، حیّ اور قیّوم، مالک اور حاکم، ربّ بے مثل بادشاہ اپنی ذات میں بے شبہ ونظیر اور لَیْسَ کَمِثْلِه شَیء ہے۔اس اَمر کی توضیح کے لئے ہم ان کی اَدبیات سے کچھ اقتباس پیش کرتے ہیں۔مبادا ناظرین یہ خیال کر بیٹھیں کہ ہمارا بیان فقط سنی سنائی باتوں پر مبنی ہے۔

آگے چل کر مہا تما پتنجلی (پتن جلی) کے لوگ درشن میں سے ایک طویل عبارت نقل کی ہے۔ایک شاگرد اپنے گرو سے خدا تعالیٰ کی صفات کے متعلق سوالات کر رہا ہے اور گرو صاحب ان کے جوابات مدلّل طریق پر دیتے جاتے ہیں۔شاگرد کا ایک سوال یہ ہے کہ کیا خدا تعالیٰ بولتا اور کلام بھی کرتا ہے؟ اس کے

جواب میں گروصاحب فرماتے ہیں کہ جیسا کہ وہ علیم ہے، بے شبہ ویسا ہی وہ کلام بھی کرتا ہے۔تب شاگرد پوچھتا ہے۔اگر وہ بولتا ہے کیونکہ وہ علیم ہے تو اس میں اور عالم رشیوں میں کیا فرق رہا۔جنہوں نے اپنی معلومات کوکلام کے ذریعہ ظاہر کیا ہے؟

گروصاحب فرماتے ہیں۔فرق وقت کا ہے۔کیونکہ رشیوں نے وقت کے اندر جانا۔اُس وقت کے اندر کلام کیا۔انہوں نے اپنے علم کوکلام کے ذریعے دوسروں تک پہنچایا۔اس لئے ان کا کلام کرنا اوران کا علم حاصل کرنا وقت کے اندر وقوع پذیر ہوتا ہے اور چونکہ امورالٰہیہ کو وقت کے ساتھ کچھ تعلق نہیں اس لئے خدا تعالیٰ اَزل سے جانتا اور کلام کرتا آ رہا ہے۔وہی ذات واحد تھی۔جس نے برہما سے اور نیز دوراوّل کے دوسرے لوگوں سے مختلف طریقوں پر کلام کیا۔ایک کواس نے کتاب عنایت کی تو دوسرے کے لئے اپنی ہم کلامی کا دروازہ یا راستہ کھول دیا،اور تیسرے کواپنے الہام کا شرف بخشا۔جس کے ذریعے سے اس نے غور و خوض کر کے وہی کچھ معلوم کرلیا۔جوخدا نے اس پر یعنی نبی پر نازل کیا تھا۔

(کتاب الہند صفحہ ۱۴۔۱۵)

شاگرد پھر پوچھتا ہے۔اُس نے یہ علم کہاں سے حاصل کیا؟

گروصاحب فرماتے ہیں۔اس کا علم اَزل سے اور ہمیشہ ہمیش سے یکساں رہا ہے۔چونکہ عدمِ علم کبھی اس کے پاس نہیں پھٹکا۔اس لئے وہ اپنی ذات میں علم ہے۔کبھی بھی اس نے کوئی علم حاصل نہیں کیا۔جو پہلے ہی اس کو حاصل نہ تھا۔وہ وید میں جس نے اس کو برہما پر اُتارا، یوں فرماتا ہے۔اس ذات مطلق کی حمد کرواورا س کے نام کے سوہلے گاؤ،جس نے وَید کو بولا۔اور جو وید سے پہلے بھی تھا۔

مہاشا تپنجلی (پتن جلی) کی رُتبہ ہندوؤں کے نزدیک بہت بڑا ہے۔اوران کی کتاب یوگ درشن گیتا کے بعد سب کتابوں سے افضل ہے۔یوگ شاستر کی عبارت محولہ بالاعبارت سے کئی نتیجے اخذ ہوتے ہیں۔

۱) خداتعالیٰ انہی صفات سے متصف ہے۔جوتورات اور قرآن شریف میں مذکور ہیں۔

۲) خداتعالیٰ ہمیشہ سے کلام کرتا آیا ہے۔

۳) خداتعالیٰ نے برہما اوراس کی اولاد سے کلام کیا۔لہٰذا برہما ایک نبی ہے۔اوراس کی بعض اولاد میں سے بھی نبی تھے۔ (الفضل ۴فروری ۱۹۳۹ء)

ابراہیمی سلسلہ کی تین شاخیں

قسط نمبر ۳

۴) وید برہما پر نازل ہوا تھا نہ کہ چار رشیوں پر۔

۵) وید ازلی نہیں بلکہ درمیانی زمانے کی ایک کتاب ہے (کیونکہ خدا تعالیٰ وید سے پہلے بھی موجود تھا)۔

۶) چونکہ ہندوستان میں برہما نام کا کوئی نبی نہیں گزرا۔ لہٰذا ہندوؤں کے فرضی ناموں کا لحاظ کر کے ہم نتیجہ نکالتے ہیں کہ برہما سے مراد ابراہیم علیہ السلام ہیں۔

یہ تمام باتیں ایسی ہیں جو ایک زبردست عالم اور صوفی آریہ رشی کے مونہہ سے نکلیں اور ان سے زمانہ حال کے آریہ سماجوں کے فرضی عقائد کی جڑ بنیاد سے اکھڑ جاتی ہے۔

سب سے بڑی بات یہ ہے کہ مہاتما پتنجلی کی اس تصنیف سے ہندوؤں کا ابراہیمی مشرب اور ابراہیمی نسل ہونا ثابت ہو گیا اور اس کے ساتھ ہی اصلی وید کا برہما پر نازل ہونا بھی متحقق ہو گیا۔ پس جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ وید چار رشیوں۔ سوریہ۔ وایو۔ اگنی اور انگرہ کی آتماؤں میں ڈالے گئے تھے۔ وہ غلط کہتے ہیں۔

ہندو ذریت ابراہیم میں:

اب اصل مطلب کی طرف رجوع کر کے عرض کرتا ہوں کہ فی الجملہ علمائے اسلام کا ازمنۂ وسطیٰ میں یہ عام خیال تھا کہ ہندو قوم اکثریت صابی مذہب کے پیرو ہیں۔ بلکہ ہمارے زمانہ کے بعض عالموں نے بھی آریوں اور مجوسیوں کو صابی کہا ہے۔ (دیکھو تفسیر حقانی جلد دوم صفحہ ۲۰۸) نیز یہ کہ صابی لوگ ابراہیمی مذہب کے قائل اور حضرت ابراہیم کو اپنا پیشوا تسلیم کرتے ہیں۔ (دیکھو موضح القرآن شاہ عبدالقادرؒ دہلوی بر حاشیہ ترجمۃ القرآن سورہ بقرہ) انبیاء کی امتوں میں شرک کا پیدا ہو جانا کچھ تعجب کی بات نہیں۔ بنی اسرائیل اور بنی اسماعیل دونوں میں شرک آیا۔ بلکہ بت پرستی تک نوبت پہنچ گئی۔ پس اگر ہندوؤں میں شرک اور بت پرستی آ گئی تو اس سے یہ کیونکر فتویٰ لگ گیا کہ وہ ابراہیمی ذریت نہیں ہیں۔

علاوہ ازیں اگر وہ ذریت ابراہیمی نہیں تھے تو ان میں کرشن (جو ہندو قوم کا داؤد ہے) اور بدھ (جو ہندو

قوم کا مسیح ہے) اور زرتشت جیسے نبی کیوں پیدا ہوئے۔ یہ سچ ہے کہ ادومی سلسلے میں انبیاء کثرت سے نہیں آئے مگر کیا اسماعیلی سلسلہ میں ان سے بھی کم نہیں آئے۔ سوائے اسماعیل اور حضرت محمد ﷺ کے اور کس کا نام اہل عرب میں بزمرۂ انبیاء لیا جاسکتا ہے۔

قرآن میں حضرت موسیٰ کی زبانی دو بڑے انعاموں کا ذکر کیا گیا ہے۔ جو کسی قوم کو مل سکتے ہیں۔ ایک نبوت دوسرے بادشاہت۔ اب اگر ہم بنی اسرائیل میں بنی ادوم کا باہم مقابلہ کریں تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل میں نبی تو بے شک زیادہ تعداد میں آئے اور پے در پے آئے لیکن بادشاہت کا جو انعام ان کو ملا وہ بمقابلہ بنی ادوم یعنی آریہ قوم کے بہت کمتر درجہ پر ہے۔ بلکہ یہ کہنا پڑتا ہے کہ عیسو کی اولاد سے ایسے زبردست فاتح اور عظیم الشان شہنشاہ نکلے جن کی نظیر بنی اسرائیل میں ڈھونڈنا عبث ہے۔ بنی اسرائیل میں سب سے بڑے بادشاہ کو اس کی بادشاہت کے ساتھ کچھ نسبت نہیں جو عیسو کی اولاد کو نصیب ہوئی۔ سکندر۔ اشوک۔ ساوس۔ ذوالقرنین۔ دارا گشتاسپ۔ منوچہر سب آریہ نسل سے تھے۔ لہٰذا عیسو کی اولاد یعنے ادومی سلسلہ کے بادشاہ تھے۔ ان کی بادشاہتوں اور ان کے جاہ وجلال کی کہانیوں کو تاریخ میں پڑھو تو معلوم ہو کہ ''خداوند کے شعیر سے طلوع ہونے'' کی کیا تفسیر ہے۔ کیا وہ جو میں نے بیان کی ہے یا وہ جو ناواقف مفسرینِ قرآن بیان کرتے ہیں۔ خلاصہ کلام یہ کہ تورات کی پیشگوئی مندرجہ استثناء باب 22 آیت 1۔2 کی رو سے یہ لازمی ہے کہ عیسو کی اولاد یا آریہ قوم کو ہم ابراہیمی سلسلے کی ایک شاخ قرار دیں۔ یا کوئی اور سلسلہ انبیاء لوگ دکھائیں جس پر یہ پیشگوئی حرف بحرف ثابت ہوتی ہو۔ لیکن جب کوئی اور سلسلہ اس پیشگوئی کا مصداق نظر نہیں آتا تو لامحالہ آریہ قوم اس پیشگوئی کی مصداق ٹھہری۔ وھوالمطلوب

ایک اور اعتراض کا جواب

ممکن ہے کسی صاحب کے دل میں یہ اعتراض پیدا ہو کہ ادومی یا آریہ سلسلہ ایسا ہی ہے جیسا تورات میں بیان ہوا تو قرآن شریف میں اس کا ذکر کیوں نہیں آیا۔ اس کے جواب میں عرض ہے کہ قرآن شریف میں اس سلسلے کا ذکر موجود ہے۔ سنیئے

وَالتِّينِ وَالزَّيْتُونِ وَطُورِ سِينِينَ وَهَذَا الْبَلَدِ الْأَمِينِ لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ ثُمَّ رَدَدْنَاهُ أَسْفَلَ سَافِلِينَ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَلَهُمْ

أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ فَمَا يُكَذِّبُكَ بَعْدُ بِالدِّينِ أَلَيْسَ اللَّهُ بِأَحْكَمِ الْحَاكِمِينَ

(سورہ التین ۔سورہ95)

قبل اس کے کہ میں اس سورۃ کا ترجمہ کروں ۔تین اور زیتون کے معنی بتا دینا ضروری ہے۔تین کا ترجمہ عموماً انجیر کا درخت سمجھا جاتا ہے۔مگر کسی نبی کا یا کسی سلسلہ نبوت کا تعلق کسی انجیر کے درخت سے تاریخی حیثیت سے ثابت نہیں۔حضرت مسیح کا کسی انجیر کے درخت کے پاس پھل لینے کے لئے جانا اور محروم واپس آنا ایک نہایت معمولی واقعہ ہے جسے ہرگز تاریخی حیثیت حاصل نہیں۔پس کوئی ایسا درخت تلاش کرنا چاہیئے جو تاریخی حیثیت سے کسی بڑے نبی کے ساتھ وابستہ ہو۔میں عرض کرتا ہوں کہ وہ درخت ہندوستان میں ہی تھا۔بلکہ اب بھی اس کی یادگار موجود ہے۔وہ درخت بڑ کا درخت تھا جس کے نیچے گوتم بدھ نے 6 سال عبادت کی اور جہاں اس پر ازلی ابدی خدا نے تجلی فرما کر اس کو اطمینان قلب بخشا۔اور جہاں سے بدھ مذہب کی بنیاد پڑی۔یہ شبہ کی تین کے معنی بڑ کا درخت کیسے ہوگئے؟ اس کے لئے عرض کرتا ہوں کہ جس طرح آدمیوں کے خاندان ہیں۔درختوں کے بھی اسی طرح خاندان ہوتے ہیں۔چنانچہ انجیر کے خاندان تین اقسام شامل ہیں۔سب سے چھوٹی قسم انجیر کا درخت کہلاتا ہے۔درمیانہ قسم کی انجیر میں نے لاہور میں دیکھی ہے۔اس کا درخت انجیر سے بڑا اور بڑ سے چھوٹا ہوتا ہے اور سب سے مشہور قسم بڑ کا درخت ہے۔ان تینوں میں بے حد مشابہت ہے۔پتوں میں بھی اور پھول میں بھی۔انگریزی لغت کی کتابوں میں لفظ *Banian* (بڑ کا درخت) کے معنے یہ لکھے ہیں۔*Banian Indian figficus India* یعنی ہندوستانی انجیر سوائے بڑ کے اور کوئی درخت نہیں۔دوسرا لفظ اس آیت میں زیتون ہے۔یہاں اس بات کو بھی نوٹ کر لینا چاہیئے کہ تین اور زیتون دونوں معرف بالام ہیں۔پس تین سے مراد کوئی خاص تاریخی درخت یا جھنڈ زیتون کے درختوں کا ہے۔جب ہم انجیل کو دیکھتے ہیں تو چاروں انجیلوں میں باتفاق لکھا پاتے ہیں کہ یوروشلم (بیت المقدس) سے باہر ہیکل سلیمانی کے سامنے ایک پہاڑ تھا جس پر کثرت سے زیتون کے درخت اگے ہوئے تھے۔حضرت مسیح اپنے وطن صوبہ گلیل سے آکر جب بیت المقدس میں بغرض تکمیل تبلیغ داخل ہوئے تو آپ نے اسی پہاڑ پر جو اس وقت بھی جبل الزیتون کہلاتا ہے اپنا ڈیرہ جمایا۔اور آپ کا یہ داخلہ بڑی شان وشوکت کا تھا کیونکہ آپ کے بارہ حواری بھی آپ کے ہمراہ تھے۔اس پہاڑ پر آپ نے چھ ماہ قیام کیا اور شہر یوروشلم اور اس کے گرد ونواح کے علاقہ میں خوب خوب تبلیغ فرمائی۔اس دوران میں تین عیدیں آپ نے اسی جگہ منائیں۔اسی پہاڑ

پر شب باش ہوتے تھے۔ جس سے اٹھ کر شہر یوروشلم اور کبھی کبھی نواح کے دیہات میں تبلیغ اور منادی کرنے چلے جاتے تھے۔ عید فسح عید سے دو روز پہلے اپنے حواریوں کے حلقہ میں بیٹھ کر ان کو مفصل تعلیم دی اور ہدایات جاری فرمائیں اور بہت عظیم الشان پیشگوئیاں اس موقع پر بیان فرمائیں جن میں سے بڑی بڑی پیشگوئیاں حسب ذیل ہیں۔ ق

1۔ یہودیوں کی ہدایت سے محروم رہنے کی پیشگوئی۔

2۔ یہودا اسکریوطی کی بے ایمانی اور دغابازی کی پیشگوئی۔

3۔ اپنے صلیب پر چڑھائے جانے اور بچ جانے کی پیشگوئی۔

4۔ پطرس کے تین دفعہ انکار مرشد کی پیشگوئی۔

5۔ یہودیوں پر عذاب آنے اور ہیکل کے گرائے جانے کی پیشگوئی۔

6۔ مسیحیوں اور حواریوں کے ستائے جانے کی پیشگوئی۔

7۔ رسول کریم ﷺ اور مسیح کے نام پر آنے کی مفصل پیشگوئی

(یوحنا باب ۱۴، ۱۶۔ متی باب ۲۴، ۳۔ ۱۴)

یہ وہ زیتون کا پہاڑ ہے جس نے حضرت مسیحؑ کے اس جگہ قیام کرنے کی بدولت تاریخی حیثیت حاصل کر لی۔ اسی لئے خدا تعالیٰ نے اس پہاڑ کا ذکر سورۂ والتین میں کیا۔ ورنہ محض ''تین'' اور ''زیتون'' کے کسی معمولی درخت کا ذکر قرآن حکیم اپنے اوراق میں کبھی نہ کرتا۔

آیات قرآن کا تفسیری ترجمہ

قسم ہے اس بڑ کے درخت کی جس کے نیچے گوتم بدھ کو ماموریت اور نبوت کا خلعت پہنایا گیا۔ جو اس ادومی سلسلہ کا آخری نبی تھا۔ جس کی بناء کوہ شعیر پر رکھی گئی تھی۔

اور قسم ہے اس زیتون کے پہاڑ کی جہاں مسیح ناصری نے جو موسوی سلسلہ کا آخری نبی تھا تبلیغِ رسالت اور اتمام حجت کی غرض سے ڈیرے ڈال دیئے تھے اور جہاں اس نے اپنے اور اپنی قوم کے متعلق اور اپنے مخالفین کے متعلق زبردست انذاری پیشگوئیاں بیان فرمائیں۔ نیز فاران سے جلوہ گر ہونے والے موعود نبی (النبی) کے متعلق پیشگوئی کر کے اپنی قوم کی ڈھارس بندھائی تھی۔

اور قسم ہے طور سیناء کی جہاں موسیٰ کو شریعت کی کتاب دی گئی جو تمام ابراہیمی اقوام کے لئے تا نزول قرآن واجب العمل اور مشعل ہدایت رہی۔

اور قسم ہے اس امین شہر مکہ کی جس میں ہزاروں سال سے النبی الخاتم (یعنی رسول کریم ﷺ) کی امانت محفوظ تھی اور جہاں اب تیسرا سلسلہ نبوت یعنی محمدی سلسلہ قائم کیا گیا ہے کہ ہم نے انسانوں کو ان دونوں سلسلوں (موسوی اور ادومی) کے قیام کے وقت نئی اور بہترین پیدائش عطا کی تھی۔ لیکن آخر کار وہ دونوں سلسلے تحت الثریٰ میں جا گرے۔ لہذا حسب وعدہ الٰہی اب یہ تیسرا سلسلہ کوہ فاران پر قائم کیا جاتا ہے۔ پس جو لوگ اس سلسلہ کے بانی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان لے آئیں گے اور ایمان کے ساتھ نیک اعمال بھی بجالاتے رہیں گے ان کا اجر کبھی منقطع نہیں ہوگا۔ لیکن جو اس کے منکر اور مکذب ہوں گے وہ جہنم کی سزا ضرور پائیں گے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ احکم الحاکمین ہے۔

خاتمہ

تورات کی آیت خداوند سینا سے آیا شعیر سے ان پر طلوع ہوا (الیٰ آخرہٖ) وحی الٰہی تھی اور سورۃ التین بھی وحی الٰہی ہے۔ لہذا دونوں میں اس ترجمہ اور تفسیر نے صحیح مطابقت دکھادی ہے اور اس ذریعہ سے اتحاد الاقوام کی زنجیر کی جو کڑی آج تک ٹوٹی پڑی تھی وہ جڑ گئی ہے اور اب یہ زنجیر بخوبی اپنا کام کرنے کے قابل ہوگئی ہے۔ **والحمد لله علیٰ ذٰلک**۔ ہاں آئیندہ کے لئے احتیاط کی جائے کہ پھر یہ کڑی ٹوٹنے نہ پائے۔ **والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ**۔

الفضل قادیان 4/02/1939

ہمارے قومی ریفارمر

علمائے اسلام کے آجکل دو بڑے گروہ بنے ہوئے ہیں ایک تو وہ بدبخت گروہ ہے۔ جو اماما حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کُھلے اور جانی دُشمن ہیں اور ہمیشہ اپنی پُر ضلالت تحریروں اور تقریروں سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت مرحوم کو قعرِ ضلالت میں دیکھتے رہتے ہیں اور سلسلہ احمدیہ کی بیخ کنی کیلئے دامے، درمے، قدمے، سخنے ہر آن و ہر لحظہ کوشش میں لگے رہتے ہیں۔ اگرچہ آج تک ایک فرد بشر بھی اس سلسلے کا بال بیکا نہیں کر سکا اور نہ آئیندہ کر سکے گا۔ مگر ہم ان غریبوں کو معذور سمجھتے ہیں۔ انہوں نے اپنے دِلوں کی کجی کے باعث بکنا شروع کر دیا۔ جہاں تک کہ بعض اَبدی جہنمیوں نے کفر کے فتووں پر بھی اپنی مہریں ثبت کر دیں اور اس طرح اپنی ہاویہ کی اَبدی سکونت پر مہر کر دی۔ کاش! اگر یہ حضرات جلدی نہ کرتے صبر سے خداوند کریم سے استعانت کر کے صراطِ مستقیم پر قدم مارتے تو آج مَغضُوب عَلَیہِم کی قسم میں داخل نہ ہوتے۔ مگر

إِنَّ اللّهَ لاَ يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّى يُغَيِّرُواْ مَا بِأَنْفُسِهِمْ (۱۲:۱۳)

ترجمہ: یعنی اللہ تعالیٰ اُس قوم کی حالت نہیں بدلتا یہاں تک کہ وہ قوم اپنی حالت خود نہیں بدلتی۔

خیر، اِن کو تو جانے دو، ان کا ذکر ہی چھوڑ دو۔ ان کو پوچھتا ہی کون ہے۔ مہذب مسلمان بلکہ ساری مہذب دُنیا اُن پر لعنت بھیجتی ہے اور خداوند جلّ شانہ اور اس کے پاک فرشتے بھی اُن پر لعنت کرتے ہیں۔ ہماری اصلی غرض اس مضمون کے لکھنے سے اُن مہذب علماء کو خطاب کرنا ہے۔ جو کچھ عرصہ سے قومی ریفارمروں میں شمار ہونے لگے ہیں۔ اور جو براہ راست یا کسی اور طرح سے سیّد احمد خان صاحب مرحوم کی صحبت سے مستفیض ہو چکے ہیں اور جن کو دُنیاوی تعلیم کی ترویج میں اس گمراہ کا ہاتھ بٹانے کا فخر حاصل ہے۔ ان کی تعداد بہت بڑی ہے اور ہم انشاء اللہ تعالیٰ وقتاً فوقتاً ان میں سے ہر ایک کی نسبت کچھ عرض کرتے رہیں گے اور ناظرین کو بدر (چاند) دِکھاتے رہیں گے کہ آیا باوجود دعوے اصلاح کے وہ اسلام کے پاک تمدّنی اور دینی اصولوں پر عمل بھی کرتے ہیں یا نہیں لیکن فی الحال ہم دو بزرگوں کے ساتھ کچھ بات چیت کرنی

چاہتے ہیں۔ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

نمبر1 خواجہ الطاف حسین حالی پانی پتی۔

نمبر2 مولوی نذیر احمد صاحب دہلوی

ہم اس بات کے ماننے کے لئے طیّار ہیں ۔ کہ ان بزرگوں نے ایک حد تک جیسا کہ دُنیاوی ریفارمروں کا قاعدہ ہے ملک میں اصلاح بھی کی ہے اور یہ بھی ہم جانتے ہیں کہ اصلاح کا یہ رنگ ان کی طبیعتوں پر سیّد احمد خان کی بدولت چڑھا۔ ورنہ بذات خود وہ سادہ مزاج اور دیندار مسلمان تھے۔مگر افسوس اس کی صحبت نے ان کو دِین پر پورے طور سے قائم نہ رہنے دیا۔اور حُبِ دُنیا ان کے اعمال پر غالب آ گئی اور ان اصحاب نے اس نیچری (جو دعا پر یقین نہیں رکھتے) مصلح کی بدولت یا یوں کہو کہ اس کے ہاتھ پر بیعت کر کے دُنیا کو دِین پر مقدم کرلیا اور باوجود بڑے عالم متبحر ہونے کے وہ ایک مامور من اللہ کو جو ان کے سامنے بشیر و نذیر بن کر آسمان سے نازل ہوُا پہچان نہ سکے بلکہ ابتک سکتے کے عالم میں ہیں نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن۔ حیران ہیں کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔اپنی آنکھوں سے ایک مُجدّد اور مامور من اللہ کو دیکھ رہے ہیں اور اُس امداد غیبی پر جو آسمان اور زمین سے اُس کی حق میں کی جارہی ہے ٹکٹکی لگائے بیٹھے ہیں۔مگر منہ سے کچھ بول نہیں سکتے وہ اپنے کئے پر پشیماں ہیں اور سیّد احمد خان اور اس کی زمینی کوششوں کو یاد کر کے زبان حال سے کہہ رہے ہیں کہ۔مصرعہ

خود غلط بُود آنچہ ما پندا شیتم

اصل بات یہ ہے کہ انہیں معلوم نہیں تھا کہ اصلاح کے واسطے زمینی آدمیوں کی کوششیں ہمیشہ بے سود ہوتی ہیں کیا یہ بزرگوار ہمیں بتلا سکتے ہیں کہ عرب کے اُمّی نبی نے جو پاک تبدیلی تئیس سال کے اندر اس جاہل، وحشی اور خونخوار ملک میں کر دِکھائی وہ ہزار سیّد احمد خان، دو ہزار حالی اور تین ہزار نذیر احمد اور چار ہزار غلام الثقلین اور پانچ ہزار عبدالقادر اور چھ ہزار انشاء اللہ اپنی متفقہ کوششوں سے اُتنے ہی یا اس سے دو چند یا سہ چند عرصہ میں کر سکتے ہیں۔ ہرگز نہیں۔ سچی اصلاح کیلئے آسمانی آدمیوں کی ضرورت ہوتی ہے اور کامیابی بھی اُنہیں کو ہوتی ہے جو آسمان سے آتے ہیں نہ اُن کو جو زمین پر خود بخود مُصلح بن کر بیٹھ جاتے ہیں۔ دیکھو پچیس برس سے خدا کا ایک برگزیدہ اور آسمانی مصلح پکار پکار کر خلق خدا کو بتا رہا ہے کہ ترقی کی شاہراہ اس طرف ہے، اور دین کے انوار اس طرف چمکتے ہیں۔آؤ اِس طرف جھکو۔کہ صراطِ مستقیم یہی ہے۔

آؤ لوگو کہ یہیں نور خدا پاؤ گے
لو تمہیں طور تسلّی کا بتایا ہم نے

مگر کتنے ہیں جنہوں نے اس منادی کرنے والے کی آواز کو سنا ہاں پچیس 25 سال سے ایک موذّن آسمان سے نازل ہوکراس رُوحانی جمعہ کے اندر لوگوں کو نماز جمعہ کے لئے بلا رہا ہے۔ مگر افسوس لوگ بیع کو نہیں چھوڑتے اور جمعہ کی نماز کی طرف سے غافل ہیں۔ آہ! بڑے بڑے سمجھ والوں کی عقلیں بھی یہاں آکر ماری گئی ہیں۔ اور وہ باوجود سب کچھ سمجھنے کے کچھ نہیں سمجھتے۔ بڑے بڑے تیراک اس بھنور میں آکر رہ گئے ہیں۔ اور بڑے بڑے شہسوار اس میدان میں گردنوں کے بل گرے پڑے ہیں۔ بڑے بڑے تیر اندازوں کے تیر اس میدان کارزار میں اُلٹ کر اُنہیں کے مونہوں پر آ لگے اور ان کو گھائل اور ادھ مُوا کر دیا۔ عجب موتا موتی ہو رہی ہے۔ ایک عالم عذاب کے دام میں گرفتار ہے مگر دانہ کی طمع اس کو دام سے باہر نکلنے نہیں دیتی۔

مگر ہم اصل پوائنٹ سے دور جا پڑے ہیں ہاں اوّل ہم مولانا حالی سے پوچھتے ہیں۔ کہ ''مسدّس حالی'' میں انہوں نے اسلام کی حالت زار پر جو رونا رو دیا ہے اور ''مناجات حالی'' میں جو دھاڑیں مار کر دعائیں کی ہیں۔ کیا وہ کچھ وُقعت رکھتی ہیں۔ یا یونہی لوگوں کو سنانے کے لئے اُن کے زورِ طبع کا نتیجہ ہیں۔ اور اگر حقیقت میں انہوں نے سوز دَرونی کے ساتھ دُعائیں کی ہیں، تو وہ منظور بھی ہوگئی ہوں گی کیونکہ یہ ناممکن ہے کہ کوئی مومن خشوع خضوع کے ساتھ ربّ العٰلمین کی درگاہ میں دُعا کرے اور قبول نہ ہو۔ ہم مولانا صاحب کی خدمت میں باادب عرض کرتے ہیں کہ خداوند کریم اور عزیز حکیم نے ان کی اور بہت سے دیگر مومنوں کی دُعائیں سُنکر بنظر ترحّم ان کے لئے اسی ملک ہند میں صوبہ پنجاب کے اندر دمشق کے مشرقی منارے پر مسیح موعود کو نازل فرمایا ہے اور اب یہ ان کا فرض ہے۔ کہ چشم باطن کو کھول کر اُسے دیکھیں یہ مسیح حدیث نبوی

ان اللہ یبعث فی ھٰذا الامۃ عَلٰی راس کل ما ئۃ سنۃٍ من یجدد لھادینھا

یعنی اللہ ہر صدّی کے سر پر پاس اُمت میں ایک مجدّد کو مبعوث کرتا ہے کہ وہ اُس کے دین کی تجدید کرے۔ اس کے مطابق اس چودہویں صدی کے عین سر پر آسمان سے نازل ہؤا ہے۔ مولانا صاحب۔ آپ کو معلوم ہے کہ اس نے آکر دجّال کو بھی قتل کر دیا۔ اور اس وقت کل دُنیا کو زندہ اسلام کے چمکتے ہوئے نوروں سے منور کر رہا ہے۔ اگر آپ نے اب تک نہیں دیکھا۔ تو آپ کی حالت پر افسوس ہے کیا ''مسدّس حالی'' کے بندوں اور ''مناجات حالی'' کی دُعاؤں کا تقاضا یہ نہیں تھا کہ وہ مجدّد کبھی کا آ گیا ہو۔ ذرا ملاحظہ ہو۔

شعر(مسدّس حالی)

نہ دِیں ہی رہا اور نہ اسلام باقی
اک اسلام کا رہ گیا نام باقی

اور ملاحظہ ہوں مناجات حالی کے مندرجہ ذیل اشعار

اے خاصۂ خاصانِ رُسل وقت دُعا ہے
اُمت پہ تیری آکے عجب وقت پڑا ہے
جو دیں کہ اس شان سے نکلا تھا وطن سے
پردیس میں وہ آج غریب الغربأ ہے
جس دین کے مدعُو تھے کبھی خسرو کسریٰ
اب قہقہہ زن اُسپہ ہر اک ہرزہ سرا ہے
جو تفرقہ اقوام کا آیا تھا ہٹانے
خود تفرقہ اس دین میں اب آکے پڑا ہے
اے سرورِ عالم بَالی اَنْتَ وَ اُمیّ
دُنیا پہ ترا لُطف سدا عام رہا ہے
کر حق سے دُعا امت مرحوم کے حق میں
جس کا کہ جہاز آج تباہی میں پڑا ہے
ڈر ہے کہ کہیں نام ہی مٹ جائے نہ اُس کا
مُدت سے اسے دور زمان مٹ رہا ہے

ہم نے ''مسدّس حالی'' اور ''مناجات حالی'' میں سے یہ چند اشعار اس اَمر کے دکھانے کے لئے نقل کئے ہیں۔ کہ مولانا زبان حال وقال سے اس بات کو صریحی طور سے تسلیم کرتے ہیں کہ فی الواقع اس وقت ایک آسمانی مصلح کی ضرورت ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہایت دردانگیز لہجہ میں التجا کرتے ہیں کہ وہ درگاہ خداوندی میں دُعا فرماویں۔ تا وہ اپنے فضل وکرم سے ایک مجدّد کو جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سی قوت قدسی لے کر دُنیا کی اصلاح کے لئے آوے فی الفور بھیج دے مگر اے حُبّ دُنیا۔ اور اے سیّد احمد خان

کے فیض صحبت ۔تمہارا بُرا ہو کہ تم نے شمس العلماء خواجہ الطاف حسین صاحب حالی جیسے بزرگ کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا۔جس مجدّد کی خاطر انہوں نے رو رو کر دُعائیں کی تھیں ۔ وہ شان اَحمدی اور انوارِ احمدی کو ساتھ لے کر اور کسر صلیب کے کام پر مامور ہو کر اُن کے سامنے آموجود ہوا۔لیکن اب وہ اُسے دیکھنے سے عاری ہیں ۔شاید مسیح ناصری کا حلیہ اوّلین ان کو یاد ہو۔اور اب وہ اس قادیانی مسیح کو اُسی حلیہ سے شناخت کرتے ہوں۔لیکن ہم عرض کرتے ہیں ۔کہ دو ہزار برس میں وہی حلیہ کیوں کر قائم رہ سکتا ہے۔آخر آسمان کی آب و ہوا بھی اپنا اثر رکھتی ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ مسیح ناصری اگر وہ آسمان پر چلا گیا تھا اُسی قد و قامت اور اُسی خد و خال کے ساتھ نازل ہو۔ضرور ہے کہ اس کی ظاہری صورت بلکہ تمام قویٰ میں تغیر عظیم برپا ہو جاوے بلکہ اس کے تمام کپڑے بھی جن کو وہ بکسوں اور بقچیوں میں بند کر کے آسمان پر لے گیا تھا اور جو تعداد میں اس قدر تھے۔ کہ اُنیس سو(1900) برس تک کام آویں پھٹ گئے ہوں۔

اِس لئے یہ بھی ضرور ہے کہ اگر وہی مسیح ناصری آسمان سے نازل ہو تو وہ ننگے بدن اُترے۔مگر نہیں۔مسیح ناصری تو انیس سو برس سے محلّہ خان یار سری نگر میں ملک کشمیر میں استراحت فرماتے ہیں اور اب دُنیا میں واپس نہیں آسکتے۔اُن کا انتظار فضول ہے۔جس مسیح موعود نے آنا تھا وہ آچکا۔چاہو تو قبول کرو۔دیکھو۔جب سورہ جمعہ نازل ہوئی۔تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت

وَآخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوا بِهِمْ

کی تفسیر کرتے وقت حضرت سلمان فارسی کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا کہ

ولو کان الایمان معلقاً بالثریا لناله رجلٌ من ابناءِ فارس

یعنی اِن فارسی لوگوں میں سے ایک شخص آخری زمانہ میں جبکہ دنیا میں ضلالت پھیلی ہوئی ہوگی۔اور ایمان اُٹھ کر ثُریّا پر چلا گیا ہوگا۔عہدہ نبوت پر سرفراز ہو کر دُنیا کی اصلاح پر مامور ہوگا اور از سرنو ایمان کو دُنیا میں پھیلا دے گا۔سو وہ فارسی النسل مُصلح کبھی کا آچکا ہے۔جن کی آنکھیں ہیں وہ دیکھتے ہیں اور جن کو توفیق نہیں ملی۔وہ دیکھ نہیں سکتے۔

نظم

دکھائی آ کے عجب آن بان مہدی نے
بتائی خلق کو احمدؐ کی شان مہدی نے
دکھا کے زورِ قلم اور نشانہائے عجیب
ہے رام کر لیا سارا جہان مہدی نے
کہیں نہ دین محمدؐ کی آبرو مٹ جائے
ہر ایک آن رکھا یہ ہی دھیان مہدی نے
خطاب احمدؐ و عیسیٰؑ و آدمؑ و موسیٰؑ
یہ کس نے پایا ہے؟ شاہ جہان مہدی نے
دُعا سے اُسکی مُوئے لیکھرام اور ڈوئی
دکھائے کیسے ہی روشن نشان مہدی نے
کوئی یہ پوچھے کہ دجّال کس نے قتل کیا؟
تو صاف کہہ دو۔ مسیح زمان مہدی نے
مُکذّبین کا بیڑا ڈبویا ہے کس نے؟
غلام احمدؑ صاحبقران مہدی نے

(ازراقم مضمون گوہر)

مولانا حالی اور اُن کے کثیر المقدار ہم مشرب مسلمانوں کے ساتھ اس قدر بات چیت کر چکنے کے ہمارا ارادہ شمس العلماء مولوی حافظ نذیر احمد صاحب کے ساتھ دو دو باتیں کرنے کا تھا لیکن مضمون لمبا ہوتا جاتا ہے اور ہمیں اندیشہ ہے کہ ایڈیٹر صاحب بدر اور اُن کے مُعزّز ناظرین گھبرا نہ جائیں۔ اسلئے ہم اس مضمون کو یہیں ختم کرتے ہیں اور مولانا مذکور یا اُنکے با حمیت مسلمان سے اس کے جواب کی آرزو رکھتے ہیں۔

(اخبار بدر نمبر ۴۹ جلد ۶۔ ۵/دسمبر ۱۹۰۷ء)

کتاب کے معنیٰ شریعت نہیں

''پیغام صلح'' کے ایک اعتراض کا جواب

میں نے ایک نظم بعنوان ''امیر پیغام کے نام'' 24 جنوری کے ''الفضل'' میں چھپوائی تھی۔ شروع کے دو بندوں میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شانِ ماموریت کا مختصر سے مختصر نقشہ دکھایا گیا ہے۔ بدیں معنی آپ کے پاک وجود میں وہ تمام لوازمات بطریق امن پائے جاتے ہیں۔ جو ایک نبی کے لئے ضروری ہیں۔ مگر اس کے ساتھ یہ احتیاط بھی برتی گئی ہے کہ حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ''احمدؐ کا غلام'' کے لقب سے ملقّب کیا گیا ہے۔ تا کسی جلد باز اور کوتاہ اندیش کو کسی قسم کا دھوکہ نہ لگے۔ لیکن افسوس! کہ پیغام صلح کے موجودہ ایڈیٹر صاحب نے جو ہمارے ایک عزیز بھائی کے فرزند ہونے کی وجہ سے ہمیں بھی عزیز ہیں۔ مگر الٰہیات کی دُنیا میں نو وارد اور بزرگان قادیان اور اَصحابِ مسیحؑ کی پاک صحبتوں سے بہت کم بہرہ اندوز ہوئے ہیں۔ پھر بھی اس میں درج کیا۔ میں نے حضرت اقدّس کے مجموعہ الہامات ورویاء وکشوف کو مدّنظر رکھ کر ایک شعر یہ لکھا تھا ؎

روز و شب اپنی صداقت کے نشاں دکھائے
بڑی انجیل سے ساتھ اپنے کتاب اک لائے

جناب آصف ایڈیٹر ''پیغام صلح'' اُسے پڑھ کر آتش زیر پا ہو گئے انہوں نے خیال کیا۔ کہ بس اَب تو حضرت مرزا صاحب علیہ السلام کو قادیان والوں نے شریعت والا نبی بنا دیا۔ گویا اُن کے نزدیک کتاب کے معنی شریعت ہیں۔ ظاہر ہے کہ انجیل کوئی شریعت کی کتاب نہیں۔ قرآن کریم سے پہلے 1900 سال تک تمام دُنیا کے لئے صرف ایک ہی شریعت تھی یعنی تورات۔ گو اوّلاً وہ بنی اسرائیل کے لئے ہی مقصود ہو۔ گر سارے جہان میں اگر کوئی متلاشی حق کسی شریعت آسمانی کی تلاش کرتا تو تورات کے سوا کسی شریعت کو نہ پا سکتا۔

شریعت کے لحاظ سے بھی کتاب کے معنی شریعت ہرگز نہیں۔ لغت کی رُو سے کتاب کے معنی ہیں۔ ہر لکھی ہوئی چیز (خواہ وہ ایک چٹھی ہی کیوں نہ ہو) یا جس چیز کے اندر کچھ لکھا جائے۔ ہاں کبھی اصطلاحی رنگ میں اِس کے معنی شریعت کے لئے جاتے ہیں۔ جیسے کہ بعض اہل لغت اور مفسرین نے کتاب سے مراد تورات لی ہے یا جیسا کہ ذیل کے مصرع میں جسے ایڈیٹر صاحب نے 8 فروری کے پیغام صلح میں ایک شذرہ کے عنوان کی زینت بنایا ہے۔

من نیستم رسول ونیاآوردہ ام کتاب

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی کئے ہیں۔ چنانچہ ''ایک غلطی کا ازالہ'' کے صفحہ 211 آپؑ نے اس کی وضاحت فرمادی ہے۔ جہاں لکھا ہے:

''اور میرا یہ قول کہ **''من نیستم رسول و نیاآوردہ ام کتاب''** اس کے معنی صرف اس قدر ہیں۔ کہ میں کوئی شریعت لے کر نہیں آیا۔ مگر ایڈیٹر صاحب پیغام صلح سمجھتے ہیں کہ کتاب کے معنی شریعت کے سوا اور کچھ ہو ہی نہیں سکتے۔ حالانکہ اگر کتاب کے معنے ہر حال میں شریعت ہی مسلّم ہوتے تو لغت بھی اس کی مؤید ہوتی تو حضرت اقدس کو اس کی تشریح کی ضرورت نہ تھی نیز حضرت مولوی محمد علی صاحب بھی یہی لکھتے ہیں کہ شریعت الگ چیز ہے۔ اور ہدایت یا کتاب الگ اور ساتھ ہی یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ نبی کیلئے کتب کا لاناضروری ہے۔ اور درحقیقت نبی کی وحیٔ نبوت کا ہی دوسرا نام کتاب ہے۔

(النبوۃ فی الاسلام صفحہ۱۲۵ وصفحہ ۵)

اب جب ہم اس کے ساتھ اس امر کو بھی ملحوظ رکھیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد کوئی نبی 1955 سال کے عرصہ میں شریعت لے کر نہیں آیا۔ گو کتاب کے معنی شریعت لینا سخت غلطی ہے۔ ہاں عوام کے دل میں یہ غلط خیال ضرور بیٹھ گیا تھا کہ کتاب کے معنے شریعت کے ہیں۔ چونکہ مسلمانوں کی کتاب ''قرآن شریف'' ایسی ہی کتاب ہے کہ اسمیں عظیم الشان پیشگوئیوں کے علاوہ ایک کامل اور عدیم النظیر شریعت بھی موجود ہے۔ جو دنیا کے آخیر تک کامل ہدایت کا کام دیگی۔ اس لئے عام مسلمانوں کی اصطلاح میں کتاب شریعت ہی کا نام ہو گیا۔ اس غلطی کی وجہ سے انہوں نے بجائے دو شریعت کی کتابوں کے چار شریعت کی کتابیں بنالیں۔ یعنی تورات اور قرآن کے علاوہ عوام زبور اور انجیل کو بھی شریعت کی کتابیں سمجھنے لگے۔ اسی طرح یہ غلط عقیدہ تراشا کہ رسول وہ ہے جو شریعت لے کر آئے۔ اور نبی وہ ہے جو بغیر شریعت کے ہو۔ حالانکہ

یہ بات بھی بالکل غلط ہے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آ کر اپنے مشہور مصرع

؎ مــــن نیستـــــم رســــــول و نیــــــآوردہ ام کتـــــاب

میں جو کتاب کا لفظ بمعنے شریعت استعمال فرمایا تو یہ اس پرانی قومی رسم کی پیروی تھی۔ لیکن مابعد کے زمانہ میں آپ نے اس کو بکلی ترک کر دیا۔ اسی طرح اس مصرع سے یہ بھی نکلتا ہے۔ کہ آپ مسلمانوں کے رسمی عقیدہ کی وجہ سے ابتداء میں بھی سمجھتے تھے کہ رسول صاحبِ شریعت یا صاحبِ کتاب ہوتا ہے لیکن بعد میں آپ نے صاف لکھا۔ کہ میں خود نبی اور رسول ہوں۔ مگر ظلّی طور پر نیز نبی کی تعریف حسب ذیل الفاظ میں لکھی:

''یہ تمام بدقسمتی دھوکہ سے پیدا ہوئی ہے کہ نبی کے حقیقی معنوں پر غور نہیں کی گئی۔ نبی کے معنے صرف یہ ہیں کہ خدا سے بذریعہ وحی خبر پانے والا ہو۔ صرف مکالمہ مخاطبہ سے مشرف ہو۔ شریعت کا لانا اس کے لئے ضروری نہیں اور نہ یہ ضروری ہے۔ کہ وہ صاحب شریعت نبی کا متبع نہ ہو۔''

(براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ 138و139)

اس کے علاوہ آپ نے نبی اور رسول کی تعریف میں کوئی امتیاز نہیں رکھا۔

پس جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے صاف صاف فیصلہ فرما دیا۔ تو اب بھی اس پُرانے خیال کی پیروی کرنا ناواجب اور ناجائز ہے۔ حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لکھ دیا ہے۔ کہ تمام اَنبیاء کو خدا تعالیٰ نے کتابیں دی تھیں۔ (براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ 193) اسی سے سمجھ لینا چاہیئے ۔ کہ تمام اَنبیاء صاحب شریعت تو ہو نہیں سکتے لہذا کتاب کے معنے شریعت لینا از خود باطل ہو گیا۔ ہر نبی کی کتاب سے اس کے الہام اور وحی کا مجموعہ ہی مراد ہو سکتی ہے۔ جیسا کہ مولوی محمد علی صاحب کو بھی مسلّم ہے۔ پھر تعجب ہے۔ کہ ایڈیٹر صاحب پیغام صلح نے کتاب کے معنے شریعت کیونکر سمجھ لئے۔

اب رہا یہ سوال کہ آیا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی کوئی کتاب ساتھ لائے ہیں یا نہیں۔ یا کیا کوئی کتاب آپ پر نازل ہوئی ہے یا نہیں؟ صاف ظاہر ہے کہ آسمان سے تو کسی نبی پر کوئی کتاب گری نہیں۔ یہی ہوتا ہے کہ نبی پر وحی والہامات نازل ہوتے رہتے ہیں۔ اور علاوہ الہامات اور وحی کے رویاء اور کشوف بھی انبیاء کو دکھائے جاتے ہیں۔ نبی کی زندگی کے آخری دنوں میں یا نبی کی وفات کے بعد جب ان الہامات۔ وحی۔ رویاء اور کشوف کو کسی چیز پر لکھ کر (یعنی بذریعہ کتابت) ایک جگہ جمع کر لیا جاتا ہے۔ تو وہ ایک کتاب بن جاتی ہے۔ اب سنیئے کہ حضرت مرزا صاحب یقیناً نبی ہیں۔ (یعنی بروزی نبی) اور یہ بات فریقین

کومسلم ہے۔ کیونکہ حضرت مولوی محمد علی صاحب نے 1915ء ہی میں ایک ٹریکٹ میں جواب تک موجود ہے۔لکھ دیا تھا۔ کہ

''مسیح موعود ماننے میں ہم ایک، مہدی ماننے میں ہم ایک اور نبی ماننے میں ہم ایک۔''

اور یہ بھی مانتے ہیں کہ ہر نبی کے پاس ایک کتاب ہوتی ہے۔ پس لاہوری اصحاب کے مسلّمہ عقیدہ کے بموجب جبکہ حضرت مرزا صاحب نبی ہیں تو اُن کی ایک کتاب بھی ہونی چاہیئے۔ اور یقیناً وہ کتاب جمع ہوکر تذکرہ کی شکل میں شائع ہوچکی ہے۔ پس اگر کتاب کے لغوی معنوں میں مَیں نے یہ مصرع لکھدیا۔

بڑی انجیل سے ساتھ اپنے کتاب اک لائے

تو اس میں کونسی قیامت برپا ہوگئی۔ اگر کہو کہ اس سے دھوکا لگتا ہے تو مَیں کہتا ہوں کہ جب فریقین تسلیم کرتے ہیں اور یہ دلی عقیدہ رکھتے ہیں کہ حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت حقیقی اور مستقل نبوت نہیں۔ بلکہ ظلّی اور بروزی ہے تو اس کی کتاب سے بھی حقیقی اور مستقل کتاب مراد نہیں لی جاسکتی۔ سلسلہ عالیہ احمدیہ کی ہر چیز ظلّی اور بروزی ہے۔ حتّٰی کہ مسیح موعود کے بعد جس کو خلافت حقّہ احمدیہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ وہ بھی ظلّی اور بروزی ہے۔ ایڈیٹر صاحب غور کریں اور آنکھیں کھولیں کہ جس کارخانہ کی سرے سے بنیاد ہی 'ظلّ' اور 'بروز' پر رکھی گئی ہے اس کے ناموں، خطابوں اور اعزازی ڈگریوں پر اعتراض کرنا کسی صحیح الدماغ انسان کا کام نہیں۔ اور آخر میں ایڈیٹر صاحب نے مجھے دعوت دی ہے کہ کہ میں حضرت اقدسؑ کے اس مصرع

من نیستم رسول ونیاوردہ ام کتاب

پر گرہ لگا کر دکھاؤں۔ حضرت! جو تشریح میں نے کی ہے اس کی روشنی میں اب گرہ لگانے کی کیا حاجت رہی۔ جب کتاب کے معنی شریعت ہیں ہی نہیں۔ تو پھر آپ کو چاہیئے کہ ان بھول بھلیوں سے جو احمدیہ بلڈنگس لاہور کی فضا کے اندر ہیں باہر آئیں۔ قادیان کا کوئی آدمی حضرت اقدسؑ مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو صاحب شریعت نبی نہیں مانتا۔ ایسا ہی حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حقیقی یا مستقل نبی ماننا بھی ہمارے نزدیک کفر ہے۔

سنیئے! حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام پر نبی کہلائے۔ اور آپ

کی بعثت کی اصل غرض بھی اسلام کی گمشدہ عظمت کو قائم کرنا ہے اپنی نبوت کا منوانا اس غرض کے حصول کا ایک ذریعہ ہے۔ مختصر یہ کہ آپ کی نبوت اضافی ہے تو پھر نبوت کا لفظ آپ کے نزدیک ہوّا کیوں بناہوُا ہے۔

آخری عرض ہے کہ حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مصرع پر حسب خواہش آپ کے اپنے الفاظ میں گرہ لگانا شائد بے ادبی میں داخل ہے۔ لہذا مَیں حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی کے الفاظ کو نظم کر کے اس پر گرہ لگا دیتا ہوں۔ گو اس کا لگانا میرے خیال میں ضروری نہ تھا۔ سنئیے

مــــن نیستــــم رســــول و نیــــآورده ام کتــــاب
زانجــاه کــه ایــں کتــاب بــمعنــی شــریعــت اســت

(الحکم قادیان ۷؍مارچ ۱۹۳۹ء)

مہاراجہ یدھشٹر کا خاندان عربی زبان بولتا تھا

میں نے الفضل مورخہ 26فروری1923ء میں لکھا تھا کہ تاریخ عرب وشام وہند سے ثابت ہے کہ آریہ اقوام ذریت حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں جنہیں ہندو برہما جی کہہ کر پکارتے ہیں۔ نیز لکھا تھا (بحوالہ اپنی کتاب تحفہ ہند ویورپ) کہ سری کرشن اور ارجن اور کورو پانڈو سب عربی۔عبرانی بولتے تھے۔اس کے متعلق اصل حوالہ طلب کیا گیا ہے۔سوگزارش ہے کہ اپنی اس تحقیق کی تائید میں میں نے ستیارتھ پرکاش مطبوعہ بنارس1875ء کے اُردو ترجمہ کے صفحہ 354 کا حوالہ دیا تھا اور اس کتاب یعنی ستیارتھ پرکاش کے صفحہ مذکور سے وہ عبارت نقل کی تھی جسے مہاشہ دہرم پال مترجم ستیارتھ پرکاش مذکور نے اپنی کتاب ''بت شکن'' میں نقل کیا ہے۔

(دیکھو بت شکن ص32)

افسوس ہے کہ مجھ سے ''ستیارتھ پرکاش'' کے ساتھ الفاظ ''اردو ایڈیشن'' لکھنے سے رہ گئے۔یعنی یہ حوالہ ''اردو ایڈیشن ستیارتھ پرکاش1875ء سے ماخوذ ہے۔سوامی دیانند نے جو ستیارتھ پرکاش پہلی دفعہ لکھی وہ ہندی میں ہے اور وہ بمقام بنارس1875ء میں طبع ہوئی تھی۔اس کا مستند اردو ایڈیشن 1913ء میں سیوک سٹیم پریس لاہور میں چھپا۔یہ ترجمہ مہاشہ دہرم پال (حال غازی محمود لدھیانوی) نے جوان دنوں آریہ سماج کے سیکرٹری تھے نہایت صحت سے کیا اور اس کا نام رکھا ''اصلی ستیارتھ پرکاش کا مستند اردو ایڈیشن'' شائد بعض اصحاب اصل ہندی ستیارتھ پرکاش کے جویاں ہوں۔ان کی اطلاع کے لئے گذارش ہے کہ یہ حوالہ اصل ہندی ستیارتھ پرکاش مطبوعہ 1875ء کے صفحہ 327 پر ملے گا۔لیکن چونکہ یہ کتاب نایاب ہے لہذا ناظرین اور محققین کی سہولت اور آرام کے لئے میں اس حوالے کو ہندی ایڈیشن 1875ء سے نقل کئے دیتا ہوں۔جس سے ظاہر ہے کہ ہندوؤں کے بزرگ اور مہابھارت کے زمانہ کی رشی منی اور راجا و مہاراجہ عربی زبان بولتے اور خوب سمجھتے تھے۔حوالہ یہ ہے۔

''مہابھارت میں لکھا ہے کہ یدھشٹر اور بدرُ آوک (وغیرہ) عربی آوک (عربی زبان) دیش بھاشا (ملکی زبان) کو جانتے تھے۔ سوئی جب یدھشٹر آوک (وغیرہ) لاکھشا گرہ (لاکھ کا گھر) کی اور (طرف) چلے۔تب بدرُ جی کو عربی بھاشا (زبان) میں سمجھایا اور یدھشٹر جی نے عربی بھاشا سے پرتی اُتر (جواب) دیا تبھادت (بخوبی) اس کو سمجھ لیا۔''

(اصلی ستیارتھ پرکاش ہندی بار اوّل مطبوعہ بنارس ۱۸۷۵ء ص ۳۷)

یہاں میں یہ نوٹ کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ سوامی جی نے یہ تو تسلیم کر لیا کہ مہابھارت کے زمانہ میں

اندر پرست کا شاہی خاندان عربی زبان بولتا تھا اور بخوبی سمجھتا تھا مگر افسوس کہ انہوں نے یہ نہ دیکھا کہ عربی زبان اندر پرست (قدیم دہلی) میں کیونکر پہنچی۔ کیا عرب میں ان دنوں کوئی چیفس کالج یا یونیورسٹی تھی۔ جہاں ہندوستان کے راجے مہاراجے جا کر تعلیم حاصل کرتے تھے یا عرب دیش کے علماء ہندوستان میں بلوائے گئے تھے تا کہ اندر پرست کے راجکماروں کو عربی زبان سکھلائیں اور سکھلائیں بھی اس ڈھنگ سے کہ وہ اسے فرفر بول سکیں۔ گویا وہ ان کی مادری زبان ہے میں یقیناً کہتا ہوں کہ عرب یا ہندوستان کی تاریخ اس قسم کی کوئی شہادت پیش نہیں کر سکتی اور ہرگز پیش نہیں کر سکتی۔ پھر کیوں آریہ ہندو سیدھے طور سے یہ بات تسلیم نہیں کر لیتے کہ ان کے آباء فی الواقع عرب اور شام کے ملکوں سے ہجرت کر کے ہندوستان میں آئے تھے اور نہ صرف شاہی خاندان کے ممبر بلکہ شمالی ہندوستان کے تمام راجے مہاراجے رشی اور منی حتیٰ کہ خود ان کے اوتار راجہ رام چندر اور سری کرشن عربی اور عبرانی زبان بولتے تھے اور ان کا بڑا وید جواب گم ہے وہ بھی عربی زبان میں اور حضرت ابراہیمؑ (برہما) کا صحیفہ تھا۔

علاوہ ازیں ان کے موجودہ ویدوں کی زبان بھی عربی سے ماخوذ ہے۔ پالی زبان عربی سے ماخوذ ہے۔ پہلوی۔ ژند اور فارسی اور ان کی پوتر زبان سنسکرت سب عربی سے ماخوذ ہیں۔ ان امور کے ہوتے ہوئے سمجھ میں نہیں آ سکتا کہ پھر ہندو لوگ کیوں اندھیرے میں ٹامک ٹوئیے مار رہے ہیں جب انہیں معلوم ہے کہ اسلام کے بجز کسی قوم کی کشتی پار نہیں ہو سکتی۔ جب وہ دل سے یقین رکھتے ہیں کہ ایک نہ ایک دن انہیں یا ان کی اولادوں کو کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھنا پڑے گا۔ تو وہ کیوں اپنا قیمتی وقت ضائع کر رہے ہیں اور کیوں وہ فی الفور اسلام میں داخل نہیں ہو جاتے۔

اگر آج وہ اسلام قبول کر لیں تو میں دعوے سے کہتا ہوں کہ ایک سال کے اندر سوراجیہ مل جائے گا تجربہ کر کے دیکھ لیں۔

(الفضل ۱۳۰ اپریل......۱۹۳۳ء)

ذوقی لطیفہ

ایڈیٹر صاحب الفضل فرماتے ہیں کہ حضرت نعمت اللہ گو ہر صاحب نے ایک ذوقی لطیفہ ارسال فرمایا ہے جو کہ معزز قارئین کی خدمت میں حاضر ہے

دبدبۂ خسرویم شد بلند
زلزلہ در گور نظامی فگند

لفظ نظامی کے عدد 1001ء ہیں۔ پس بتایا کہ حضرت مسیح موعودؑ کی شان دیگر مجددین حتیٰؒ کہ مجدد الف ثانی سے بھی بلند ہے۔ اور 1001ء ان کی بعثت کا سال ہے۔ اور پہلے مصرعہ کے اعداد 1319ء ہیں۔ اور یہ وہ سال ہے جن آپ نے اپنی نبوت کے متعلق اعلان شائع کیا کہ میں نبی اور رسول ہوں اور پہلے جو تاویل فرماتے تھے وہ چھوڑ دی۔ یہ ہجری سن 1901ء کے مطابق ہے۔ پھر اگر زلزلہ کے اعداد کو جو 74 ہیں گور نظامی کے اعداد ہیں۔ جو 1274 ہیں، جمع کئے جائیں تو 1301ء حضرت مسیح موعودؑ کی بعثت کا سال نکلتا ہے۔ حضرت نعمت اللہ گو ہر صاحب نے یہ بھی لکھا ہے کہ امیر خسرو نے جب یہ شعر لکھا تو آسمان سے ایک تلوار نازل ہوئی جو حضرت محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین اولیاؒ نے کشفی نظر سے دیکھ کر روک لی کیونکہ یہ ایک گستاخی تھی مگر چونکہ حضرت مسیح موعودؑ کو یہ الہام منجانب اللہ ہوا۔ اسی لئے یہ گستاخی نہیں اس لئے آپ کے الہام کے نزول کے بعد اور بھی ترقی ہوئی۔

(الفضل ۱۵ /اپریل ۱۹۱۵ء)